جمعۃ المبارک 05 نومبر 2021ء | 29 ربیع الاول 1443ہجری قمری | 05 نبوت 1400 ہجری شمسی | جلد 3 | شمارہ: 263

ارشاد باری تعالیٰ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳﴾

(الحجرات:13)

ترجمہ :۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس سے سخت کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے ۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

غیبت کرنے والے کی سزا

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج ہوا تو کثفًا مَیں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اس سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ مَیں نے پوچھا، جبرائیل یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ، لوگوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھایا کرتے تھے اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے)۔

(ابوداؤد، کتاب الادب باب في الغيبة)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

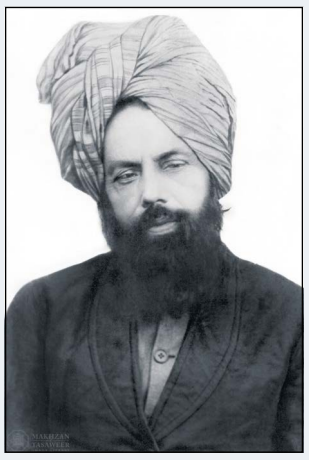

؎ بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

’’ہماری جماعت کو چاہئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں۔لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دُور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔کون سا ایسا عیب ہے جو کہ دُور نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعے سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہئے۔

ایک صوفی کے دو مرید تھے۔ ایک نے شراب پی اور نالی میں بیہوش ہو کر گرا۔ دوسرے نے صوفی سے شکایت کی۔ اس نے کہا تو بڑا بے ادب ہے کہ اس کی شکایت کرتا ہے اور جا کر اٹھا نہیں لاتا۔ وہ اُسی وقت گیا اور اسے اٹھا کر لے چلا۔ کہتے تھے کہ ایک نے تو بہت شراب پی لیکن دوسرے نے کم پی کہ اسے اٹھا کر لے جا رہا ہے۔صوفی کا یہ مطلب تھا کہ تُو نے اپنے بھائی کی غیبت کیوں کی۔

آنحضرت ﷺ سے غیبت کا حال پوچھا تو فرمایا کہ کسی کی سچی بات کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے برا لگے غیبت ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے اور تو بیان کرتا ہے تو اس کا نام بہتان ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (الحجرات:13) اس میں غیبت کرنے کو ایک بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جو آسمانی سلسلہ بنتا ہے ان میں غیبت کرنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ آیت بیکار جاتی ہے۔ اگر مومنوں کو ایسا ہی مطہّر ہونا تھا اور ان سے کوئی بدی سرزد نہ ہوتی تو پھر اس آیت کی کیا ضرورت تھی؟۔

بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اٹھتا ہے۔بعض میں کچھ طاقت آ گئی ہے۔ پس چاہئے کہ جسے کمزور پاوے اسے خفیہ نصیحت کرے۔ اگر نہ مانے تو اس کے لئے دعا کرے۔ اور اگر دونوں باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضاء و قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہئے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سرد دست جوش نہ دکھلایا جاوے۔ممکن ہے کہ وہ درست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے۔ بلکہ لکھا ہے اَلْقُطْبُ قَدْ يَزْنِيْ، قطب سے بھی زنا ہو جاتا ہے۔ بہت سے چور اور زانی آخر کار قطب اور ابدال بن گئے۔ جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔ کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کے لئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو۔ بلکہ وہ فرماتا ہے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد:18) کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مَرْحَمَة یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لئے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے۔ اور وہ شخص بہت ہی قابل افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سَو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہئے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لئے رو رو کر دعا کی ہو.....‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 60 - 61 ایڈیشن 1988ء)

فرمان خلیفہ وقت

پھر غیبت ایک گناہ ہے جس سے اصلاح کی بجائے معاشرے میں بدامنی کے سامان ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس گندے فعل سے کراہت دلاتے ہوئے فرمایا کہ تم تو آرام سے غیبت کر لیتے ہو۔ یہ سمجھتے ہو کہ کوئی بات نہیں، بات کرنی ہے کر لی۔ زبان کا مزا لینا ہے لے لیا۔ یا کسی کے خلاف زہر اگلنا ہے اگل دیا۔لیکن یاد رکھو یہ ایسا مکروہ فعل ہے ایسی مکروہ چیز ہے جیسے تم نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالیا۔ اور کون ہے جو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے کراہت نہ کرے۔غیبت یہی ہے کہ کسی کی برائی اس کے پیچھے بیان کی جائے۔ پس اگر اس شخص کی اصلاح چاہتے ہو جس کے بارہ میں تمہیں کوئی شکایت ہے تو علیحدگی میں اسے سمجھاؤ تا کہ وہ اپنی اصلاح کر لے اور پھر بھی اگر نہ سمجھے تو پھر اصلاح کے لئے متعلقہ عہدیدار ہیں، نظام جماعت ہے، امیر جماعت ہے اور اگر کسی وجہ سے کوئی مصلحت آڑے آ رہی ہے یا تسلی نہیں ہے تو مجھ تک پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔بعض لوگ مجھے شکایت کرتے ہیں لیکن ان شکایتوں سے صاف لگ رہا ہوتا ہے کہ اصلاح کی بجائے اپنے دل کا غبار نکال رہے ہیں اور پھر اکثر یہی ہوتا ہے کہ شکایت کرنے والے اپنا نام نہیں لکھتے صرف ایک احمدی یا ایک ہمدرد لکھ دیتے ہیں نیچے یا پھر ایسا نام اور پتہ لکھتے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہوتا جو بالکل غلط ہوتا ہے۔ایسے لوگ سوائے میرے دل میں کسی کے خلاف گرہ پیدا کرنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔ اور اس میں بھی وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ کیونکہ نام چھپانے سے ایک تو صاف پتہ چل رہا ہوتا ہے کہ کوئی ہمدرد نہیں ہے بلکہ صرف کسی دوسرے کو بدنام

بقیہ صفحہ 2 پر

اس شمارہ میں

- غزل
- حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا مستورات سے خطاب
- کیا کیا نہ ہم کو آیا یاد اک تیرے جانے کے بعد
- یادوں کے دریچوں پر حاضری

دربارِ خلافت

تمام تعریف صرف اللہ ہی کی ہی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پھر اگلی بات آپ نے یہ فرمائی کہ حمد کی حقیقی حقدار وہ ذات ہوتی ہے جس سے تمام فیض اور نور کے چشمے پھوٹ رہے ہوں۔ پس جب انسان اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو یہ سوچ کر کہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس سے انسان کو سب فیض پہنچ رہے ہیں اور وہی ذات ہے جو زمین و آسمان کا نور بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور:36) جب وہ نور ہے تو اُسی کی طرف انسان رجوع کرے۔ اُس کی طرف بڑھے۔ اُس کے آگے جھکے اور یوں پھر ایسا انسان حقیقی حمد کرنے والا بن کر اندھیروں سے روشنیوں کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور یہاں پھر اللہ تعالیٰ کے احسان کا ایک اور مضمون شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ (البقرہ: 258) کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا دوست ہو جاتا ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اُنہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جس بندے کا اللہ تعالیٰ دوست اور ولی ہو جائے پھر اُسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا بھی ایک نیا اِدراک حاصل ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا بھی ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا حقیقی حمد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنتا ہے اور پھر اس وارث بننے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا فضل ہوتا چلا جاتا ہے۔

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی پر غیر شعوری طور پر احسان کرتا ہے، نہ کسی مجبوری کے تحت بلکہ علی وجہ البصیرت یہ احسان ہے۔ جانتا ہے کہ مَیں یہ احسان کر رہا ہوں اور اس احسان کا بدلہ بھی نہیں لینا لیکن بندے کو یہ بھی بتا دیا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے، حقیقی حمد کرتے رہو گے، بندگی کا حق ادا کرو گے تو لَاَزِیْدَنَّکُمْ اور بھی زیادہ تمہیں ملے گا۔ میرے یہ انعامات اور احسانات بڑھتے چلے جائیں گے اور نہ صرف یہ انعامات اور احسانات اس دنیا میں تم پر ہوتے رہیں گے بلکہ اُس دنیا میں بھی یہ انعامات اور احسانات تم پر ہوں گے اور حقیقی حمد کے نہ ختم ہونے والے پھل تم کھاتے چلے جاؤ گے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ اس بات کو بھی یاد رکھو کہ اس دنیا میں جو تعریف اللہ تعالیٰ کے غیر کی یا اُس کی مخلوق کی تم کرتے ہو وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف لے جاتی ہے اور لے جانے والی ہونی چاہئے۔ اور ایک حقیقی مومن کو اس بات کا اِدراک اور فہم ہونا چاہئے کہ تمام تعریف کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہ تمام قدرتوں کا مالک ہے۔ زمین و آسمان اور اس کی ہر چیز پیدا کرنے والا خدا ہے، چاہے وہ جاندار مخلوق ہے یا غیر جاندار مخلوق۔ نباتات ہیں، حیوانات ہیں، انسان ہے، سب کا پیدا کرنے والا اور اُن میں وہ خصوصیات پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے جس سے ایک انسان فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

پس کسی بھی چیز کی اور کسی بھی انسان کی اپنی ذاتی اہمیت کوئی نہیں جب تک کہ خدا تعالیٰ اُس میں وہ خصوصیت یا طاقت پیدا نہ کرے جو انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہے۔ اس زمین پر بھی بیشمار چیزیں جو ہم دیکھتے ہیں اُن سے فائدہ پہنچانے کی خاصیت خدا تعالیٰ نے ہی اُن میں رکھی ہے اور انسان اُن سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے کہ یہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ پس جب ہر ایک کو ہر خصوصیت خدا تعالیٰ کی مرضی اور اُس کے ارادے اور اُس کے قانونِ قدرت سے مل رہی ہے تو پھر غیر اللہ سے فائدہ اُٹھانے کے بعد حقیقی شکر گزاری بھی خدا تعالیٰ کی ہونی چاہئے اور حمد اُسی کی کرنی چاہئے کہ اُس نے یہ اسباب اور سامان پیدا فرمائے جس کی وجہ سے اللہ کے بندے نے فائدہ اُٹھایا، ایک مومن نے فائدہ اُٹھایا۔ ہاں یہ بھی حکم ہے کہ شکر گزاری بندوں کی بھی کرنی چاہئے۔ اگر تم کسی دوسرے انسان سے فائدہ اُٹھاتے ہو تو اُس کے بھی شکر گزار بنو۔ اگر بندوں کی شکر گزاری اس نیت سے کی جائے کہ خدا تعالیٰ نے اسے میرے فائدے کے لئے بھیجا ہے، اُسے مجھے فائدہ پہنچانے کا ایک ذریعہ بنایا ہے، میری بہتری کا ذریعہ بنایا ہے تو یہ بھی خدا تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ اور یہ شکر گزاری اُس ربّ العالمین کی ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے جس نے ہمیں بھی پیدا کیا اور ہماری پرورش کے سامان کئے اور باقی چیزوں کے لئے بھی۔ پھر کسی بندے کو انسان ربّ نہیں بناتا۔ یہ نہیں سمجھتا کہ اس بندے کی وجہ سے میرے یہ کام ہوئے ہیں یا مجھے سب کچھ ملا ہے۔ پھر حقیقی ربّ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جو ربّ العالمین ہے۔

بقیہ صفحہ 9 پر

غزل

زمیں سجدہ گاہوں کی تر کر چکے ہیں
فدا اپنا سب مال و زر کر چکے ہیں

ہو صحرا کی آندھی، سمندر کا طوفاں
مقابل پہ ان کے، سفر کر چکے ہیں

یہ دل جب نہ مانیں، سمجھ لینا پھر تم
دلوں پر زمانے اثر کر چکے ہیں

یہ زہریلی باتیں، یہ طنزوں کے نشتر
یہ چھلنی ہمارے جگر کر چکے ہیں

تماشے پہ اپنے نچائے یہ دنیا
ہوا و ہوس دل میں گھر کر چکے ہیں

کروڑوں بھٹکتے ہیں راہوں میں لیکن
مبارک جو منزل کو سر کر چکے ہیں

ہے ثاقب کی باتوں سے جانا یہ ہم نے
وہ اب زندگی کی سحر کر چکے ہیں

ثاقب محمود

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت..... از صفحہ 1

کرنا چاہتے ہیں۔ عموماً تو ایسے خطوں پر کوئی کارروائی نہیں ہوتی اور میرا کام تو ویسے بھی یہ ہے کہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے پہلے تحقیق کرواؤں، پتہ کروں اور جس کا نام پتہ ہی نہیں اس کی تحقیق بھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر کسی کو سزا ہو بھی تو میرے دل میں اس کے خلاف نفرت کبھی نہیں پیدا ہوئی، نہ کوئی گرہ پیدا ہوتی ہے بلکہ دکھ ہوتا ہے کہ ایک احمدی کو کسی بھی وجہ سے سزا ہوئی ہے۔ بہرحال ایک احمدی کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ کہ تقویٰ اختیار کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ جن کو اس قسم کی بدظنیوں کی یا تجسس کی یا غیبت کی عادت ہے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف کریں۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی چاہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احساس ندامت لے کر میرے پاس آؤ گے تو مَیں تمہاری توبہ قبول کروں گا اور تمہارے ساتھ رحم کا سلوک کروں گا۔

(خطبہ جمعہ 5 فروری 2010ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

مستورات سے خطاب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 07؍اگست 2021ء بروز ہفتہ بمقام حدیقۃ المہدی (جلسہ گاہ) آلٹن ہمپشئر۔ یوکے

جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ برطانیہ 2021ء کے موقع پر مستورات کے اجلاس سے سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بصیرت افروز خطاب

آج کل روشن خیالی کے نام پر آزادیٔ اظہار و عمل کا ایسا تصور پیدا ہو گیا ہے جو روشن خیالی کم اور اندھیروں کی طرف لے جانے والی زیادہ ہے

اسلام میں عورت کے بہت سے حقوق قائم کیے گئے ہیں اور ان کے اجر بھی مردوں کے برابر ہیں بشرطیکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بھی ادا کریں اور اسلام کی تعلیم پر عمل کریں

دنیا کو عورت کا مقام اور اس کی عزت اور شرف کے بارے میں بتانا آج احمدی عورت اور احمدی بچی کا کام ہے

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

آج کل روشن خیالی کے نام پر آزادیٔ اظہار و عمل کا ایسا تصور پیدا ہو گیا ہے جو روشن خیالی کم اور اندھیروں کی طرف لے جانے والی زیادہ ہے۔ ایسا تصور ہے جو مصنوعی اور سطحی ہے۔ جس کے فوائد اور نقصان کا موازنہ کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کی گئی۔ اس نام نہاد آزادی اور روشن خیالی کے بعض پہلوؤں کے فوائد کی بجائے نقصان زیادہ ہیں۔ یہ دیکھا ہی نہیں جا رہا کہ روشن خیالی اور آزادیٔ اظہار و عمل کے نام پر ہم اپنی نسل کے مستقبل داؤ پر لگا کر خود بھی اندھیروں کی گھاٹیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اپنی نسل کو بھی اس میں دھکیلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس نام نہاد آزادی کو سوشل میڈیا کے ذریعہ سے آج کل اس قدر exploit کیا جا رہا ہے، اس کی تشہیر کی جا رہی ہے، غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے کہ یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی ختم ہو گئی ہیں کہ ہم کس تباہی کو آواز دے رہے ہیں۔ بہرحال دنیا دار جب دنیاوی نظر سے دیکھتے ہوئے چاہے نیک نیتی سے ہی سہی، اول تو نیک نیتی بہت کم ہوتی ہے، ایک برائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں یا اس سے بچنا چاہتے ہیں تو دوسری برائی میں گرفتار ہو جاتے ہیں کیونکہ روحانی آنکھ ان کی بند ہوتی ہے اور پھر آج کل دنیا داری نے اور دین سے دوری نے اس حد تک دین سے متنفر کر دیا ہے کہ یہ لوگ دین کی نظر سے دیکھنا بھی نہیں چاہتے اور اسلام کے خلاف تو عام طور پر سخت تنقید کی جاتی ہے اور اسلام کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور اس کی تعلیم کو پرانی، دقیانوسی تعلیم کا نام دیا جاتا ہے جس کا آج کل کی ترقی یافتہ دنیا میں کوئی مقام نہیں ہے، یہ کہا جاتا ہے اسلام کے بارے میں۔ حالانکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ایسی تعلیم دیتا ہے جو ہر ایک کے حقوق بتاتی ہے، آزادیٔ اظہار و عمل کا بھی پتہ دیتی ہے اور ہر ایک کی حدود اور قیود کا بھی ذکر کرتی ہے اور اس کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ہدایت بھی دیتی ہے۔

2019ء کے جلسہ کی آخری تقریر میں مَیں نے اسلام میں مختلف طبقوں کے حقوق کا ذکر کیا تھا اور یہ ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ کس طرح اسلام حقوق دیتا ہے۔ کچھ کی ان شاء اللہ آئندہ بھی نشاندہی کروں گا لیکن اس وقت میں یہاں عورتوں کے حوالے سے کچھ باتیں کہنی چاہتا ہوں۔

عموماً اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام عورت کو آزادی نہیں دیتا۔ لیکن یہ اسلام کی تعلیم سے لاعلمی یا اعتراض برائے اعتراض ہے۔

اسلام کی خوبصورت تعلیم کا بنیادی اصول

یہ ہے کہ صرف حقوق لینے پر زور نہ دو بلکہ اگر معاشرے میں امن اور سکون کی فضا پیدا کرنی ہے تو حقوق ادا کرنے کی طرف بھی توجہ کرو اور ہر ایک کے ذمہ جو فرائض ہیں ان کو ادا کرنے کو بھی اہمیت دو۔ تبھی حقیقی امن اور سلامتی کی فضا قائم ہو سکتی ہے جو اگر ہر طبقہ کے حقوق، اختیارات کو واضح کرتی ہے تو ان کی ذمہ داریوں کی بھی بات کرتی ہے۔ عورت کو صرف یہ نہیں کہتی کہ تم اپنے حقوق حاصل کرو بلکہ اپنے مقام کو سمجھنے اور غلط چیزوں سے بچنے کے لیے بھی ہوشیار کرتی ہے۔ پس یہ وہ سموئی ہوئی تعلیم ہے جو حقیقت میں ہر طبقے کے حقوق قائم کرنے اور آزادیٔ عمل و اظہار کی ضامن ہے۔ پس اس تعلیم کا نہ کوئی اَور دینی تعلیم مقابلہ کر سکتی ہے نہ ہی کوئی دنیاوی تعلیم اور قانون مقابلہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ اس وقت میں ان باتوں کے بارے میں عورتوں کے حوالے سے بات کروں گا جو اسلام میں عورت کے مقام کو ظاہر کرتی ہیں اور ان کے حقوق کا پتہ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار جگہ

عورتوں کے بارے میں احکامات

دیے ہیں اور پھر ان کا عملی اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہمیں ملتا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی عزت قائم فرمائی اور پھر اس زمانے میں کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں عورت کی عزت اور اس کا احترام پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور جب ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں جو عورت کے متعلقہ حقوق کے بارے میں قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ارشادات سے ان کی وضاحت ہوئی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے اور اس کی روشنی میں خلفاء نے بھی مختلف اوقات میں بیان کیے تو پھر اس کی کوئی وجہ نہیں رہتی کہ کسی احمدی عورت کے دل میں مذہب کے مخالف لوگوں کی باتیں سن کر یہ خیال گزرے کہ اسلام میں نعوذ باللہ عورت کے حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ کوثر کی تفسیر میں عورتوں کے جو حقوق اسلام نے دیے ہیں وہ بیان کیے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں یہ واضح کیا کہ جو حقوق عورت کے قرآن کریم نے قائم فرمائے ہیں اس سے پہلے کسی شریعت میں نہیں تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ کسی دنیاوی قانون میں بھی نہیں تھے اور قرآن کریم عورت کا حق صرف تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ ان پر اس قدر زور ہے کہ اس حوالے سے علوم کا ایک دروازہ کھل گیا ہے۔ نئی نئی باتیں پتہ لگتی ہیں۔ عورت مرد کے نکاح کے موقع پر، جب ایک لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہوتا ہے جو آیات پڑھی جاتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایسی آیات منتخب فرمائی ہیں جن میں عورت کے حقوق کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:2)

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں میں سے مردوں اور عورتوں کو بکثرت پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کے واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحموں کے تقاضے کا بھی خیال رکھو۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔

پس یہ واضح فرما دیا کہ

مرد اور عورت نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں

یعنی ایک ہی جنس سے ہیں گو مختلف صنف ہیں۔ ایک مرد ہے ایک عورت ہے لیکن جنس ایک ہے۔ وہ ایک ہی قسم کا دماغ لے کر آئے ہیں۔ دونوں کے ایک ہی قسم کے احساسات ہیں۔ مرد میں دماغ ہے، اگر کسی کام کرنے کی صلاحیت ہے تو عورت میں بھی ہے۔ مرد کے احساسات ہیں تو عورت میں بھی ہیں۔ دونوں ایک ہی طرح کے جذبات رکھتے ہیں۔ جذبات مرد کے اگر ہیں تو عورت کے بھی جذبات ہیں۔ نکاح کے شروع میں ہی بتا دیا کہ عورت کے حقوق کی کیا اہمیت ہے، مردوں کو اس بات کی طرف توجہ دلا دی کہ تم یہ نہ سمجھو کہ عورت کا دماغ نہیں ہے اور تم جس طرح چاہو اس پر حکومت کر سکتے ہو۔ عورت جذبات بھی رکھتی ہے، اس کا دماغ بھی ہے، احساسات بھی رکھتی ہے اس لیے اسے اپنے جیسا سمجھو اور اسے کم اور ذلیل نہ سمجھو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ بعض اہم امور میں عورتوں سے بھی مشورہ لے لینا چاہیے۔ آپؐ خود بھی عورتوں سے مشورہ لیا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ کی اہلیہ نے آپؓ کو کسی بات پر کوئی مشورہ دیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کون ہوتی ہو بیچ میں بولنے والی؟ وہ سن رہی تھیں، وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، مشورہ دے دیا۔ تو ان کی اہلیہ نے جواب دیا کہ جاؤ جاؤ وہ دن گئے جب ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ مجھ پہ رعب نہ ڈالو۔ اب وہ دن چلے گئے۔ اب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی بیویوں سے مشورہ لیتے ہیں۔ تم کون ہو جو مجھے روکو۔ پس آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق پر اتنا زور دیا کہ عورتوں کو بھی احساس پیدا ہو گیا کہ وہ مردوں سے کم نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے بعض واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؓ اگر کوئی حکم دیتے تو بعض دفعہ عورتیں صاف صاف کہہ دیتیں کہ یہ حکم آپؓ کس طرح دے سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس طرح فرمایا ہے۔ جو آپؓ بات کر رہے ہیں اس کے الٹ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ بہرحال قطع نظر اس کے کہ عورتوں کے یہ جواب صحیح تھے یا غلط، وہ صحیح سمجھیں یا حضرت عمرؓ صحیح سمجھ کر تشریح فرما رہے تھے لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

عورت کو اجتماعی معاملات میں رائے دینے کا حق

اسلام نے دیا ہوا ہے اور اس پر اتنا زور ہے کہ اس کی مثال کسی اور دین میں نہیں ملتی۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 301-302)

یہاں یہ بھی واضح ہو کہ وہ عورتیں دین کا علم حاصل کرنے میں بھی شوق رکھتی تھیں اور علم حاصل کرتی بھی تھیں۔ تبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بات کرتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے۔ پس احمدی عورتوں کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے کہ نہ صرف حقوق لینے کی باتیں کریں بلکہ

دینی علم سیکھنے اور اس میں بڑھنے کی بھی کوشش کریں

اور اپنے بچوں کی بھی اس نہج پر تربیت کریں۔ صرف دنیاوی علم کے حصول کے لیے ہی زیادہ زور نہ دیتی رہیں۔ قرآن کریم اور دین کا علم ہی ہے جو آج کل کے اعتراض کرنے والوں اور دین کا استہزا کرنے والوں کے جواب دینے کے قابل آپ کو بنائے گا۔ یاد رکھیں یہ دجال کی چال ہے کہ نوجوان نسل کو آزادی کے نام پر اور عورتوں کو ان کے حقوق کے نام پر دین سے دور لے جاؤ اور آئندہ نسلیں اسلام کی تعلیم سے متنفر ہو جائیں یا یہ آواز اٹھانے لگ جائیں کہ اسلام کی تعلیم کو بھی نئے زمانے کے مطابق ہونا چاہیے اور ان کے حقوق کا پاس ہونا چاہیے۔ دین سے دور لے جانے والے لوگ ہمدرد بن کر ہی دین سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں یہ ہمیشہ یاد رکھیں۔ پس ہوشیار رہنا چاہیے اور ان شیطانی حملوں سے بچنے کے لیے بلکہ ان کے اعتراض ان پر الٹانے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں نہ یہ کہ متاثر ہو جائیں۔ ان لوگوں کو بتائیں کہ تم کیا اعتراض کرتے ہو اسلام پر۔ اسلام تو عورت کو جو تحفظ اور آزادی دیتا ہے وہ نہ کسی مذہب میں ہے نہ ہی دنیاوی قاعدے اور قانون میں ہے۔ اور جس کو تم آزادی کا نام دیتے ہو وہ عورت کے تقدس اور حیا کو ختم کرنے والی ہے بلکہ ان دنیاداروں میں سے بھی بعض لکھنے والوں نے یہ لکھا ہے کہ مرد جو عورت کی آزادی اور حقوق کا شور مچاتے ہیں یہ ان کے اپنے مفاد اور اپنے غلط جذبات کی تسکین کے لیے ہے۔ ان کو عورت سے کوئی ہمدردی نہیں۔ کئی کالمسٹ نے اخباروں میں یہ لکھا ہے بلکہ ایک نے تو کھل کے لکھا ہے۔ پس یہ ان کے جذبات کی تسکین کے لیے ہے نہ کہ عورت کو کچھ دینے کے لیے۔ عورت کے مفاد کے لیے باتیں نہیں کرتے بلکہ اپنے مفاد کی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ پس بہت ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔

احمدی عورت خوش قسمت ہے کہ اس نے اس زمانے کے امام کو مانا ہے

جنہوں نے ہمیں ہر معاملے میں اسلام کی خوبصورت تعلیم کو نکھار کر دکھا دیا۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ’’عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں فرما دیا کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (البقرۃ:229) کہ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔‘‘ فرمایا کہ ’’بعض لوگوں کا حال سنا جاتا ہے کہ ان بے چاریوں کو پاؤں کی جوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پردہ کے حکم ایسے ناجائز طریق سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔‘‘ اس طرح جس طرح کہ گویا کسی کو زندہ دفنا دیا۔ ’’چاہئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاقِ فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔‘‘ فرمایا ’’انسان کے اخلاقِ فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان ہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔‘‘ فرمایا کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 417-418)

پس بڑی وضاحت سے اس ارشاد میں فرما دیا کہ حقوق کے لحاظ سے، دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بات آپؑ نے عورت کے حق میں فرمائی ہے کہ اگر مرد کے تعلقات عورت کے ساتھ صحیح نہیں ہیں تو پھر خدا تعالیٰ سے صلح بھی ممکن نہیں ہے۔ پس مرد تو مجبور ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بھی عورت کے حق ادا کرے۔ جو پہلے میں نے آیت پیش کی تھی اس میں بھی یہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

عورت اور مرد دماغ، جذبات، احساسات اور حقوق کے لحاظ سے برابر ہیں

اور نکاح کے موقع پر خطبہ نکاح کے شروع میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے اور یہ پڑھ کر مرد کے ذہن کو بھی صاف کر دیا کہ اگر تمہارے دل میں کوئی بڑائی ہے تو اسے نکال دو اور عورت کو بھی تسلی دلا دی کہ تمہارے حقوق کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر کوئی اس طرح حقوق ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آتا ہے جس سے مومن کو ہمیشہ خوفزدہ رہنا چاہیے۔ جس کا ایمان ہی کمزور ہے یا مومن نہیں اس کی تو بات اور ہے۔ اگر کوئی حقیقی مومن ہے تو پھر اس کو بہرحال خوفزدہ رہنا چاہیے۔ ایک حقیقی دوست کا رشتہ بڑا مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس طرح کا رشتہ پیدا کرو۔ اس آزاد معاشرے میں کہنے کو تو دوستی کر کے ایک دوسرے کو سمجھ کر رشتے ہوتے ہیں۔ شادی کے شروع میں لڑکا لڑکی مرد عورت دوستی کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم بڑے اچھے دوست ہیں اور آخر اس دوستی کا نتیجہ یہاں نکلتا ہے کہ رشتے بھی ہو جاتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد اکثریت کی یہ دوستی ختم ہو جاتی ہے اور پھر علیحدگی تک نوبت آ جاتی ہے۔ پس یہ کہنا بھی غلط ہے کہ پسند کی شادی اور پہلے سے تعلق بنا کر کی جانے والی شادی دیرپا ہے۔ ان کا اپنا اعداد و شمار جو ہے یہاں کا ڈیٹا جو ہے وہ اس کی نفی کرتا ہے کہ جو آپس کی understanding سے رشتے ہوئے ہیں وہ زیادہ ٹوٹتے ہیں۔ اگر انسان حقیقی مومن اور مومنہ ہے جو ایک دوسرے کو شروع میں نہ جانتے ہوں تب بھی خدا تعالیٰ کی خاطر اس رشتہ کو دونوں ایسا نبھاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا ہو۔ تاہم یہ بات بھی واضح ہو کہ یہ ضروری نہیں کہ ماں باپ کے کہنے پر لڑکی ضرور رشتہ کر لے۔

اسلام عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی۔

اگر اسلام سے پہلے کی تاریخ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ والدین جہاں چاہتے عورت کی شادی کر دیتے۔ بلکہ اب بھی بعض غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ماں باپ اپنی مرضی سے شادی کرنے پر لڑکی پر زور ڈالتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو یہاں ترقی یافتہ ممالک میں آ کر بھی اس قسم کی جاہلانہ حرکتیں کرتے ہیں کہ ہماری مرضی سے، ہماری برادری میں اور ہمارے خاندان میں ہی شادی ہو گی، نہیں تو لڑکی کو بڑی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اصل طریقہ تو یہ ہے کہ ماں باپ صرف دعا کر کے اپنی پسند کا اظہار کریں لیکن زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان یہ کرتے ہیں تو واضح ہو یہ ان لوگوں کا قصور ہے جو اپنی مرضی ٹھونستے ہیں۔ اسلام کی تعلیم کا تو کوئی قصور نہیں۔ اسلام نے تو یہاں تک کہا ہے کہ

عورت کی مرضی کے خلاف اگر کوئی شادی ہو تو وہ باطل ہے،

غلط ہے۔ پس یہ ایک بہت بڑا حق ہے جو قرآن کریم نے اور اسلام نے عورت کو دیا ہے جس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں تھا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 302)

پھر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خاوند اور بیوی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جس میں وہ ایک دوسرے کے رازدار بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے

مرد کی بہت سی باتوں کی عورت گواہ ہوتی ہے۔

پھر عورت بڑی گہری نظر سے اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا خامیاں ہیں۔ اور اگر مرد اپنے فرائض اور حقوق جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیے ہیں وہ ادا نہیں کر رہا جو بیوی کے حقوق ہیں انہیں اسلامی تعلیم کے مطابق ادا نہیں کر رہا تو ایک دن بیوی پھر اس کے سامنے کھڑی ہو سکتی ہے اور ایسے بگڑے ہوئے خاوند کو کہہ سکتی ہے اور کہے گی اور وہ اس کا حق رکھتی ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر مجھے سمجھانا۔ پس عموماً گھروں میں جھگڑوں کی بنیاد بھی یہیں سے پڑتی ہے۔ جب مرد جابر حاکم کی طرح اپنے گھر کو چلانا چاہتا ہے اور حقوق ادا نہیں کرتا تو اسے بیوی کے اعتراضوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ پس عورت کے ایک بیوی کے حق کو قائم کرنے کے لیے اور گھر میں امن کی فضا پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سنہرا ارشاد ہے کہ تم میں سے بہتر وہی ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہے۔

کتنے بڑے حق ہیں جو عورت کو دیے۔ پھر

اسلام نے عورت کو الگ گھر کا حق دیا ہے۔

اس پہ بھی بعض لوگ سوال کرتے ہیں۔ آج کے معاشرے میں خاص طور پر ایشین یا پاکستانی یا ہندوستانی معاشرے میں اس بات پر جھگڑے ہوتے ہیں کہ ایک گھر میں رہنے کی وجہ سے بیوی کی اپنے سسرال سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اَن بن رہتی ہے جو بڑھتے بڑھتے پھر خاوند بیوی کے جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور علیحدگی تک پہنچا دیتی ہے۔ تو بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ علیحدہ گھر کی خواہش کرے اور انتہائی مجبوری کے علاوہ مردوں کو یہ کہا گیا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنا چاہیے۔ لڑکی کو مجبور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ضرور سسرال میں رہے۔ اگر وسائل ایسے ہیں تو پھر علیحدہ ہونا چاہیے اور اگر نہیں وسائل تو پھر کوشش کرنی چاہیے کہ جب بھی حالات بہتر ہوں علیحدہ ہو جائے۔ پھر

عورت کا حق مہر مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی کوئی جائیداد ہو

اس کے پاس کوئی رقم ہو اس کی وہ آپ وارث ہو اور مکمل مالک ہو۔ جائیداد میں اسے حصہ دیا گیا ہے۔ آج کی نام نہاد دنیا میں جائیداد اور وراثت کا حق دیا گیا ہے لیکن یہ صرف سو ڈیڑھ سو سال پہلے آہستہ آہستہ ملا ہے جو کہ اسلام نے پندرہ سو سال پہلے دے دیا تھا بلکہ پہلے تو یہاں یہ رواج تھا کہ شادی کے بعد عورت کی جائیداد اس کی جائیداد نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اگر عورت کو کسی ذریعہ سے جائیداد مل جاتی تھی یا اس نے کسی ذریعہ سے پیدا کر لی اور اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی یا شادی ہوگئی ہے تو پھر اس کی جائیداد سمجھی نہیں جاتی تھی اور بعض لوگ تو صاحبِ جائیداد عورت سے شادی کر کے اس کی جائیداد پر قابض ہو جاتے تھے۔ شادی کے بعد عورت کی جائیداد خاوند کی طرف چلی جاتی تھی لیکن اسلام نے ابتدا میں ہی عورت کی جائیداد کو اس کی ذاتی ملکیت قرار دے کر اسے اتنی آزادی دے دی کہ صحابہ کو اس زمانے میں شبہ پڑ گیا کہ مرد کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ عورت کی جائیداد میں سے عورت کی مرضی سے بھی کچھ خرچ کر لے یا لے لے۔ اگر عورت دے بھی تو تب بھی نہیں لینا اس حد تک صحابہ محتاط ہو گئے تھے۔ صحابہ اس وقت تک اس سے بچتے رہے جب تک کہ اسلام کی تعلیم میں یہ حکم نہیں آ گیا کہ تم عورت کی طرف سے خوشی سے دیا ہوا تحفہ لے بھی سکتے ہو اور اپنے اوپر خرچ بھی کر سکتے ہو۔ اگر عورت خوشی سے دیتی ہے تو کوئی حرج نہیں لے لو۔ اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 302-303)

پھر

اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم پر زور دیا ہے

اور تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ جس کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی۔ غریب عورت تھی اور کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اس نے اپنے دائیں طرف بٹھالی ایک بائیں طرف بٹھالی۔ حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت سوائے ایک کھجور کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے وہ کھجور اسے دے دی۔ اس عورت نے منہ میں ڈال کر کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور آدھا ایک کو دے دیا اور آدھا دوسری کو اور خود بھوکی رہی۔ جہاں اس سے ماں کی قربانی کا پتہ لگتا ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس عمل سے ایک اَور خوبصورت بات بیان فرمائی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے اور ان کو تعلیم دلوائے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت واجب کر دیتا ہے۔ اس عورت پر جنت واجب کر دیتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تعلیم اس لیے حاصل کی جائے کہ ملازمت کرنی ہے، اگلی نسل کی تربیت اور اس کی تعلیم کے لیے بھی عورت کی تعلیم ضروری ہے۔ کسی خاص پیشہ اور ہنر کو سیکھ کر اس میں کام کرنا اور ملازمت کرنا بھی غلط نہیں ہے لیکن عورت اگر اگلی نسل کو سنبھالنے کے لیے تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوتی ہے تو یہ اسے جنت کی خوشخبری دیتی ہے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 304) جس کا ایک دوسری حدیث میں یوں ذکر آیا ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (کنز العمال جلد 8 جزء 16 صفحہ 192 کتاب النکاح باب فی بر الوالدین حدیث 45431۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء) یعنی اولاد کی اعلیٰ تربیت اور تعلیم صرف ماؤں کو جنت میں نہیں لے جاتی بلکہ بچوں کو بھی جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ کتنا بڑا اعزاز اور مقام ہے جو مرد کو نہیں دیا گیا عورت کو دیا گیا بلکہ عورت کی عزت کو اس سے بھی بڑھ کر بیان کیا گیا ہے۔

پس نیک عورت،

مومنہ عورت ایسی ہے جو مردوں سے کئی قدم آگے ہو سکتی ہے

اور جس قوم کی عورتیں نیکی میں آگے ہوں، تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوں، اپنے بچوں کی صحیح اسلامی تعلیم کی روشنی میں تربیت کرنے والی ہوں تو پھر اگلی نسلیں جن میں لڑکے بھی شامل ہیں لڑکیاں بھی ایسی نکلیں گی جو نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والی ہوں گی، بڑھنے والی ہوں گی۔

اسلام نے بعض حالات میں طبیعتیں نہ ملنے کی وجہ سے یا کسی اَور وجہ سے شادی کے رشتہ کو ختم کرنے کی جو اجازت دی ہے اس کی بات اگر ہم دیکھیں تو اس حق کا استعمال بھی دونوں کو برابر دیا ہے۔ مرد کو طلاق کی صورت میں، عورت کو خلع کی صورت میں اور مرد کو یہ حکم ہے کہ اس حق کو استعمال کرنے کی صورت میں یہ بات مدّنظر رہے کہ عورت پر زیادتی نہ ہو۔ اگر زیادتی ہوتی ہے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کی سزا دیتا ہے۔ طلاق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ مردوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (البقرۃ:228) اور اگر وہ طلاق کا قطعی فیصلہ کر لیں تو یقیناً اللہ بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے ولا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اس کی وضاحت فرمائی ہے وہ مردوں کی طرف نہیں جاتی بلکہ آپؑ فرماتے ہیں کہ ’’اگر طلاق دینے پر‘‘ مرد ’’پختہ ارادہ کر لیں سو یاد رکھیں کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی اگر وہ عورت جس کو طلاق دی گئی خدا کے علم میں مظلوم ہو‘‘ فرمایا ’’وہ عورت جس کو طلاق دی گئی ہے خدا کے علم میں مظلوم ہو اور پھر وہ بد دعا کرے تو خدا اس کی بد دعا سن لے گا۔‘‘

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 52)

پس اس آیت میں مرد کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ

طلاق کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرو۔

بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عورت کو طلاق نہ دے دو۔ اللہ تعالیٰ اگر تمہاری سنتا اور تمہاری باتیں جانتا ہے تو عورت کی باتیں بھی سنتا ہے اور اس کے حالات کا بھی علم ہے اسے اور اگر تم ظلم کر کے اسے اپنے سے علیحدہ کر رہے ہو تو عورت اللہ تعالیٰ سے تمہارے اس ظلم کا بدلہ لینے کی دعا کر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا سنتا ہے۔ پس یہاں مردوں کو ڈرایا گیا ہے جو طلاق دینے میں جلد بازی کرتے ہیں اور عورت کا حق قائم کیا گیا ہے۔

پھر ایک اعتراض یہ ہے کہ

ایک سے زیادہ شادیوں کی مرد کو اجازت

دے کر عورت کا حق مارا گیا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ یہ بعض حالات میں اجازت ہے، حکم نہیں ہے اور اس اجازت پر عمل کرنے کے لیے بھی بعض شرائط رکھی گئی ہیں۔ اس ترقی یافتہ معاشرے میں ایک شادی کر کے پھر دوسری عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھے جاتے ہیں۔ روز کی خبریں ہم دیکھتے ہیں اور یہ بے حیائی اور فحاشی ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا اور اس بے حیائی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بیوی کو اپنے خاوند کے ایسے تعلقات کا پتہ چلتا ہے تو نوبت علیحدگی تک آتی ہے اور یہ اس معاشرے میں عام چیز ہے۔ اس لیے ان لوگوں کو تو اسلام کی ایک سے زیادہ شادی کی اجازت پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ خود ان کے عمل ایسے ہیں پہلے اپنے آپ کو دیکھیں۔ دوسرے یہ کہ جیسا کہ میں نے کہا بعض شرائط کے ساتھ اجازت ہے اور اگر وہ شرائط پوری نہیں ہو رہیں تو اجازت نہیں ہے۔ اور پھر

ایک سے زیادہ شادی کی صورت میں انصاف کو انتہائی اہم کہا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک سے زیادہ شادی کرنے والے کے فرائض اور ہر بیوی کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہو تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے وہی ان کی بجا آوری کا دم بھر سکتا ہے۔ ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے تلخ زندگی بسر کر لینی ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ یعنی شادی کے بعد بیوی کے حقوق ادا نہ کرنا یہ کتنا بڑا گناہ ہے اگر اس کا پتہ ہو انسان کو تو فرمایا کہ ایک شادی بھی شاید نہ کرے اور بغیر شادی کے رہنا پسند کرے انسان اگر وہ صحیح مومن ہے۔ فرمایا کہ ایک سے زائد شادی کو شریعت نے بطور علاج کے رکھا ہے۔ جہاں شادی ہے وہاں جو شرائط پوری ہونی ہیں وہ بطور علاج ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں پہلی بیوی کی رعایت اور دلداری یہاں تک کرنی چاہیے (یہ بھی حق قائم کیا ہے) کہ اگر کوئی ضرورت مرد کو ازدواج ثانی کی محسوس ہو لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دوسری بیوی کے کرنے سے پہلی بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ اس کی دل شکنی ہوتی ہے تو اگر وہ صبر کر سکے اور کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو اور نہ کسی شرعی ضرورت کا اس سے خون ہوتا ہو۔ شرائط ہیں

گناہ سے بچنا اور شرعی ضرورت کا خیال۔

تو ایسی صورت میں اگر اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی قربانی کے لیے کر دے یعنی جو موجود بیوی ہے اس کے لیے اگر قربانی کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اس بات پہ بھی فرمایا کہ اگر بہت اشد مجبوری نہیں ہے جو جائز مجبوری ہے تو پھر بیوی کی دلداری کے لیے ضروری ہے کہ قربانی کرو اور ایک پہ اکتفا کرو اور اسے مناسب ہے کہ دوسری شادی نہ کرے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 63-64)

پھر فرمایا ’’دل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین ان کو اپنے سے جدا اور دوسرے کے حوالہ کرتے ہیں تو خیال کرو کہ کیا امیدیں ان کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جن کا اندازہ انسان عَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (النساء:20) کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 65)

پس یہاں عورت کے احساسات، جذبات کا بڑا کھول کر ذکر فرماتے ہوئے ان کے حق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مردوں کو نصیحت کی اور تنبیہ فرمائی ہے۔ آپؑ نے یہاں تک فرمایا کہ ’’یہ ان عورتوں کا حق ہے کہ جب کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیں تو اول شرط کرا لیں کہ ان کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا۔‘‘

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 246)

یہ بھی عورت کا حق ہے کہ جس مرد سے شادی کر رہے ہیں شادی سے پہلے اس سے عہد لے سکتے ہیں، معاہدہ کر سکتے ہیں کہ آئندہ جو بھی حالات ہوں تم دوسری شادی نہیں کرو گے اور پھر چاہے جو بھی حالات ہوں مرد پابند ہے کہ نہیں شادی کرے گا۔ پس اس حد تک مرد کو پابند کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

پھر مرد کی یہ ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ عورت کی ضروریات کا ذمہ دار ہے۔ اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ عورت کا بحیثیت خاوند نگران بھی ہے اور اس لحاظ سے مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے تمام معاملات دیکھے۔ گھر کے خرچ پورے کرے۔

بیوی بچوں کی ضروریات کا خیال رکھے۔

عورت کمانے والی بھی ہے تب بھی اس کی کمائی پر نظر نہ رکھے جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا سوائے اس کے کہ اپنی مرضی سے عورت خرچ کرے۔ بلکہ خود اپنی ذمہ داری ادا کرے اور جسمانی لحاظ سے بھی مرد کو فضیلت ہے یہ ہم دنیا میں بھی ہر جگہ دیکھتے ہیں۔ طاقت کے لحاظ سے بھی اور اعصاب کے لحاظ سے بھی۔ اس لیے اس بات کا خیال رکھے کہ اسے جذباتی اور جسمانی تکلیف نہ پہنچائے۔ مرد کو فضیلت اگر دی گئی ہے جسمانی لحاظ سے اور اعصاب کے لحاظ سے مضبوط اعصاب بنایا ہے بعض معاملات میں تو پھر یہ بھی فرض اس پر ڈالا گیا ہے کہ وہ کسی قسم کی تکلیف عورت کو نہ دے۔ اگر گھر میں بعض باتوں پر اختلاف ہو جاتا ہے تو پھر بھی ایسی باتیں نہ کرے یا غصہ میں ہاتھ نہ اٹھائے جو عورت کو جذباتی یا جسمانی تکلیف ناجائز طور پر پہنچا سکے یا پہنچانے والی ہو۔ جو جسمانی فضیلت ہے یا بیوی کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری ہے مرد اس سے غلط فائدہ نہ اٹھائے۔ تو یہاں اس حوالے میں

عورت کا حق قائم کیا گیا ہے

اس آیت میں بھی جو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مرد قوام ہے وہاں عورت کا حق قائم کیا گیا ہے اور مرد کو اس فضیلت کی وجہ سے اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے اور یہ فضیلت بھی پھر ہر معاملے میں نہیں ہے یہاں بعض معاملات میں ہے۔ تبھی تو ایک موقع پر ایک صحابیہ کے یہ کہنے پر کہ مرد سب فرائض عبادتوں وغیرہ کے بھی پورے کرتے ہیں اور لمبی ایک تفصیل بیان کی انہوں نے اور پھر یہ بھی آخر میں بیان کیا کہ سب سے بڑھ کر جہاد بھی کرتے ہیں جس کا بہت بڑا ثواب ہے جبکہ ہم عورتیں اس سے محروم ہیں ہم تو گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں، قید ہیں، صرف اپنی گھریلو ذمہ داریاں ہی ادا کر سکتی ہیں اور اولاد کو پالتی ہیں، گھر کی نگرانی کرتی ہیں تو

کیا ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کر کے اجر میں مردوں کے برابر شریک نہیں ہیں؟

بعض مجبوریوں کی وجہ سے اگر ہمارے پہ پابندیاں ہیں تو پھر اجر میں تو ہمیں شریک ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہم اس طرح اجر میں شریک نہیں ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی بڑی تعریف کی اور صحابہ سے فرمایا کہ تم نے دین کے معاملے میں اپنے مسئلہ کو اس عمدگی سے بیان کرنے میں اس عورت سے بہتر کسی کی بات سنی ہے؟ صحابہ کو بھی توجہ دلائی کہ دیکھو کیسی خوبصورت بات کی ہے اس عورت نے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم تو کسی عورت سے اتنی گہری سوچ کی امید بھی نہیں رکھتے۔ پرانی تربیت تھی جو پرانے خیالات تھے اس لیے صحابہؓ نے تو صاف کہہ دیا کہ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ عورت اتنی عقل کی بات کر سکتی ہے۔ پس آپؐ نے صحابہ سے یہ سوال پوچھ کر ان کو یہ بھی بتا دیا کہ تم عورت کو کمتر سمجھتے ہو لیکن عورتیں بھی بڑی عقل اور دینی لحاظ سے حکمت کی باتیں کرتی ہیں۔ پس ہر معاملے میں تم لوگ اپنے آپ کو ہی فضیلت نہ دو۔ عورتیں بھی بعض معاملات میں عقل کی باتیں کرنے میں تمہارے سے زیادہ فضیلت لے جاتی ہیں۔ پھر اس عورت سے فرمایا جو یہ سب معاملہ لے کے آئی تھی، جس نے ایک لمبی تفصیل اپنی باتوں کی گنوائی تھی کہ تم نے جو باتیں گنوائی ہیں کہ یہ ہم عورتیں کرتی ہیں اور اگر ایک نیک عورت، گھر دار عورت اپنے بچوں اور اپنے گھر کو سنبھالنے کے لیے جو تم نے کہا اسی طرح کرتی ہے اپنے خاوند کے ہوتے ہوئے اور اس کے پیچھے بھی اس کی ذمہ داریاں ادا کرتی ہے وہ اپنے اجر میں مردوں کے برابر ہے۔ کوئی اجر میں کمی نہیں۔ جس طرح ایک جہاد میں شریک شخص کو اجر مل رہا ہے اور ثواب مل رہا ہے وہی اجر ایک گھر میں رہنے والی عورت کو بھی مل رہا ہے۔ وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کے خوشی خوشی لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے الفاظ بلند کرتے ہوئے عورتوں کی طرف چلی گئی۔

(اسد الغابۃ جلد ۷ صفحہ ۱۷-۱۸ اسماء بنت یزید۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۳ء)

پس مردوں کو بعض فرائض کی ذمہ داریوں کی وجہ سے فضیلت ہے نہ کہ عقل، جذبات کے لحاظ سے، اور اگر مرد وہ ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے تو وہ گناہگار بھی ہیں۔ بہرحال اسلام میں عورت کے بہت سے حقوق قائم کیے گئے ہیں اور ان کے اجر بھی مردوں کے برابر ہیں بشرطیکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بھی ادا کریں اور اسلام کی تعلیم پر عمل کریں۔ اسلام کی تعلیم کو کسی احساس کمتری کی وجہ سے اپنے لیے شرمندگی کا باعث نہ سمجھیں یا دجال کی چال میں پھنس کر اپنے اوپر ناجائز بوجھ نہ سمجھیں۔

اسلام کا ایک حکم پردے کا بھی ہے۔

گذشتہ دنوں کسی نے مجھے لکھا کہ یہاں ان ممالک میں تو ہمارے ملکوں کے مردوں کی طرح جس طرح عام ہمارے ایشین مرد ہیں عورتوں کو گھور گھور کے دیکھتے ہیں یہاں تو گھور کر نہیں دیکھا جاتا اس لیے یہاں اس طرح پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جس طرح اسلام کا پردہ کرنے کا حکم ہے۔ پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ایسا نہیں جسے ہم خود اپنے نفس کے دھوکے میں آ کر غلط تشریح کرتے ہوئے وقت کی ضرورت یا عدم ضرورت کا درجہ دے دیں۔ پھر یہ یاد رکھیں کہ اسلام نے جہاں عورت کو پردہ کرنے اور نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے وہاں پہلے مردوں کو حکم دیا ہے۔ اگر ایک حقیقی اسلامی معاشرہ ہو اور وہاں مرد غضِ بصر کرے اور وہ غضِ بصر سے کام لینے والا ہو تب بھی عورت کو حکم ہے کہ تم بھی نظریں نیچی رکھو اور پردہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مردوں کو بازاروں میں بیٹھنے کی صورت میں نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المظالم باب أفنیۃ الدور والجلوس فیھا حدیث ۲۴۶۵)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے کہ ’’مومن کو نہیں چاہئے کہ ..... بے محابا اپنی آنکھ کو ہر طرف اٹھائے پھرے بلکہ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ پر عمل کر کے نظر کو نیچی رکھنا چاہئے اور بدنظری کے اسباب سے بچنا چاہئے۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 332)

پس یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ کیونکہ مرد دیکھ نہیں رہے اس لیے پردہ اور حیادار لباس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ’’آج کل پردہ پر حملے کئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ

’’اسلامی پردہ سے مراد زندان نہیں۔

کوئی قید خانہ نہیں ہے کہ عورت کو قید کر کے رکھ دو ’’بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہو گا ٹھوکر سے بچیں گے۔‘‘ فرمایا ’’.....بدنتائج کو روکنے کے لئے شارع اسلام نے وہ باتیں کرنے کی اجازت ہی نہ دی جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔‘‘ پہلے ہی احتیاط کر دی تا کہ بدنتائج سے بچا جائے۔ ’’ایسے موقعہ پر یہ کہہ دیا کہ جہاں اس طرح غیر محرم مرد و عورت ہر دو جمع ہوں تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے۔‘‘ فرمایا ’’.....اگر کسی چیز کو خیانت سے بچانا چاہتے ہو تو حفاظت کرو لیکن اگر حفاظت نہ کرو اور یہ سمجھ رکھو کہ بھلے مانس لوگ ہیں تو یاد رکھو کہ ضرور وہ چیز تباہ ہو گی۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 34-35)

پس جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کسی بھی غلطی اور گناہ کے امکان کے سدّباب کے لیے احتیاطی تدابیر بتاتا ہے اور اس پر عمل کرنے والے ہی اپنی عفت اور عزت بچانے والے ہیں۔

اسلام کا ہر حکم اعتدال کا ہے

اس لیے پردے میں غیر ضروری سختی کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ردّ فرمایا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ’’اسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیل خانہ کی طرح بند رکھی جاوے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ستر کریں وہ غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جن عورتوں کو باہر جانے کی ضرورت تمدنی امور کے لئے پڑے ان کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے وہ بیشک جائیں لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 449)

اس طرح ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ سر کے بال، گال اور ٹھوڑی کو ڈھانک کے رکھو۔

(ماخوذ از ریویو آف ریلیجنز جلد 4 نمبر 1 صفحہ 17 ماہ جنوری 1905ء بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 3 صفحہ 446)

اور قرآن کریم میں حکم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈال لیا کرو اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کرو، اس کی پابندی کرو۔ آپؑ نے فرمایا ’’مساوات کے لئے عورتوں کے نیکی کرنے میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے اور نہ ان کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی میں مشابہت نہ کریں۔ اسلام نے یہ کب بتایا ہے کہ زنجیر ڈال کر رکھو۔ اسلام شہوات کی بناء کو کاٹتا ہے۔ یورپ (اس میں سب ترقی یافتہ ممالک شامل ہیں۔ آپؑ کی مراد ترقی یافتہ ممالک تھے جو نام نہاد ہیں ان) کو دیکھو کیا ہو رہا ہے..... یہ کس تعلیم کا نتیجہ ہے؟ کیا پردہ داری کا یا پردہ دری کا۔‘‘ بہت سے معاملات یہاں بھی ہوتے ہیں اخباروں میں بھی ہم پڑھتے ہیں۔ اب یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ پردے کا نتیجہ ہے یا پردہ نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ’’.....اسلام تقویٰ سکھانے کے واسطے دنیا میں آیا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 449)

آپؑ نے فرمایا:

اسلام تقویٰ سکھانے کے واسطے دنیا میں آیا ہے۔

پس ہمیں تقویٰ پیدا کرنے کی ضرورت ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے جو حکم ہیں ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر احمدی عورت اور ہر احمدی بچی کو اپنے مقام کو سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ آزادی اور حقوق کے نام پر اندھی تقلید کرتے ہوئے اپنے ان دنیاداروں کے پیچھے چلنا شروع کر دیں بلکہ دنیا کو عورت کا مقام اور اس کی عزت اور شرف کے بارے میں بتانا آج احمدی عورت اور احمدی بچی کا کام ہے جس کے لیے بغیر کسی احساس کمتری کے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اب دعا کر لیں۔

☆دعا☆

(الفضل انٹرنیشنل 7 ستمبر 2021ء صفحہ 6 تا 10)

ناصرہ احمد۔ کینیڈا

کیا کیا نہ ہم کو یاد آیا اک تیرے جانے کے بعد

ہمارا پیارا بھائی چوہدری ظہیر احمد مرحوم

ہم سب کے پیارے بھائی ظہیر احمد کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تین سال ہو گئے ہیں قلم اس کے نام کے ساتھ مرحوم لکھتے ہوئے ابھی تک ایک دفعہ کانپ جاتا ہے۔ حالانکہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک دن اپنے خالق حقیقی کی جانب ضرور لوٹ کر جانا ہے اس پر ہم سب کا ایمان ہے اور کوئی فرد بشر اس سے منہ نہیں موڑ سکتا۔

ظہیر احمد اس قدر زندگی سے بھرپور تھا کہ اسے دیکھ کر ہم یہ سیکھتے تھے کہ زندگی کا ہر لمحہ رب کی عنایتوں اور قدرتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے فطرت کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہو کر کیسے جیا جا سکتا ہے۔ ہر مشکل وقت اور امتحان میں پُر اعتماد ہو کر حوصلے سے کیسے گزرنا ہے اور اللہ کی رضا پر صبر کرنا کیا چیز ہے۔ ظہیر احمد کی زندگی اور موت بھی ہمیں اس فانی دنیا کی بہت سی حقیقتوں کے مختلف عنوان کئی معنوں میں سمجھا گئی۔ ہم بہن بھائیوں میں وہ ساتویں نمبر پر تھا مجھ سے چھوٹا ہونے کے باوجود میں اس سے ہمیشہ بہت کچھ سیکھتی تھی۔ کئی دفعہ وہ مجھے بڑے بھائیوں کی طرح بھی سمجھا لیتا تھا۔ اُپر تلے کے ہونے کی وجہ سے ہمارے بچپن اور جوانی کے بہت سے دن اکھٹے گزرے آپس میں بے تکلفی کے ساتھ بہت پیار بھرا دوستی کا تعلق تھا۔ شروع سے ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کی جاتی تھی۔ کھاریاں میں گزرے ہوئے بچپن کے سہانے دنوں میں گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں چھت کی ممٹی میں بیٹھ کر کہانیوں کی کتابیں پڑھتے اسکول کا کام کرتے اور گھنٹوں چھت پر کھیلتے۔ رات کو تاروں کی چھاؤں میں صحن میں بچھے اُجلے بستروں پر لیٹ کر آسمان کے تاروں میں کہکشاں دیکھتے ہوئے اپنی اپنی خیالی دنیا کی کہانیاں ایک دوسرے کو سناتے ہوئے نیند کی وادیوں میں بے فکری سے کھو جاتے۔ ماں باپ کے پیارے آنگن میں ایسے ہی اکھٹے کھیلتے کودتے بچپن کے سہانے دن ایک ایک کر کے گزر گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کے ادوار بدلتے چلے گئے اور ظہیر احمد کی پیاری فطرت کے جوہر عمر کے ساتھ ساتھ نمایاں ہوتے چلے گئے۔

ظہیر احمد اوائل بچپن سے ہی بہت ٹھنڈے مزاج کا مالک، کہنا ماننے والا، فرمانبردار اور صلح جُو تھا۔ بھولی بھالی طبیعت اور انکساری نے اس کے پیارے چہرے کو ایک نُور اور خوبصورت معصومیت سے بھر دیا تھا کہ معصومیت سے پُر اس کی پیاری باتوں پر بے اختیار پیار آجاتا تھا۔ بہن بھائیوں سے بھرے پُرے گھر میں پیار بھری چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی ہے مگر کبھی یاد نہیں آتا کہ اس نے کوئی شکایت لگائی ہو یا بلاوجہ کوئی ضد کر کے واویلا ڈالا ہو۔ جو ہمارے امی جان نے کہنا، کھلانا، پلانا، پہنانا وہ بلا حیل وحجت کے مان جاتا۔ یعنی بچپن سے ہی وہ ایک بہت سعید فطرت بچہ تھا۔ جوانی میں وہ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ہر جگہ اپنے ہم جماعت دوستوں اور بڑوں کے دلوں میں گھر کرنے والی ہر دلعزیز شخصیت بن گیا۔ جماعتی خدمات کے سلسلے میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہتا اور اور کوئی موقع دینی خدمت کا جانے نہ دیتا بچپن سے لے آخر تک جب تک صحت نے اجازت دی جماعتی تنظیمات کا ایک سرگرم رکن تھا۔ ظہیر احمد کھلے دل کا ایک بے حد ہمدرد انسان تھا۔ اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھ کر اسے دلی سکون حاصل ہوتا تھا۔ اپنی ذات کو ضروریات کے لحاظ سے دوسروں سے پیچھے رکھتا نیکی کر دریا میں ڈال ولا محاورہ اس پر پورا اترتا تھا۔

اس بزرگ فطرت نوجوان میں نیکی کا مادہ اور خدمت خلق کا جذبہ ہر خاص و عام کے لیے اس قدر پایا جاتا تھا کہ اپنے ہوں یا پرائے سب کے ہمیشہ کام آنا اپنا فرض سمجھتا اور کسی بھی مدد کی جب بھی ضرورت ہوتی ہر ممکن کوشش کر کے دوڑا چلا آتا۔ پاکستان میں اکثر ایسے ہوتا کہ اچانک سے دروازے کی بیل بجتی کسی محلے دار، یا دوست احباب و جماعت میں سے کسی نے جب مدد کی ضرورت ہوتی بلا لیتے ظہیر احمد کئی دفعہ تو کھانا درمیان میں چھوڑ کر ساتھ چل پڑتا اور کھانا پڑے پڑے ٹھنڈا ہو جاتا۔ کراچی میں حضرت مولانا عثمان چینی صاحب مرحوم ہمارے گھر کے سامنے رہائش پذیر تھے اور ہمارا ان کے ساتھ ہر روز کا آنا جانا رہتا اور ان کی فیملی کے ساتھ پیار کا تعلق بڑھتے بڑھتے ایک خاندان کا سا ہو گیا تھا۔ وہ ظہیر احمد کی خوبیوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بہت تعریف کرتے ایک دفعہ امی جان کو فرمانے لگے کہ (ظہیر احمد صاحب کی خصوصیات کی وجہ سے ان کے متعلق مجھے بہت اعلیٰ درجہ نظر آتا ہے)۔ میری یاداشت کے مطابق کم وبیش اسی طرح کے الفاظ تھے۔

کینیڈا میں سیٹل ہونے والے جماعت کے بہت سے ابتدائی ریفیوجی خاندانوں کی مالی، اخلاقی مدد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کئی لوگوں کو اپنے نام پر اپارٹمنٹ وغیرہ لے کر دیئے اور کرائے خود ادا کئے، جابوں کے سلسلے میں مدد کی، کئی لوگوں کو بارڈر کراس کروائے، اور نئے آنے والوں کو سیٹل کرنے میں ہر مدد کے لیے ہمیشہ پہلے سب سے آگے آتا۔

نوجوانی میں مستقبل کے لیے آگے بڑھنے کے بہت سے خواب آنکھوں میں لیے ہر لحاظ سے ایک مختلف ماحول اور نئے ملک میں ماں باپ اور اپنے سے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ بطور امیگرنٹ آیا اور نئے مشکل تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے محنت سے نبرد آزما دور سے گزرا، ماں باپ کی دعاؤں اور اللہ کی مدد کے ساتھ بہت کامیابیاں حاصل کیں۔

ایک دفعہ کسی جاب کے انٹرویو کے لیے جانے سے پہلے ہمارے بہت ہی دعا گو پیارے ابا جان چوہدری بشیر احمد صاحب کو دعا کے لیے کہا تو ابا جان فوراً دعا میں لگ گئے غنودگی کے عالم میں ابا جی کو آواز آئی ''ظہیر مظفر'' ابا جی فرماتے ہیں مجھے یقین ہو گیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ظہیر احمد کو اعلیٰ جاب مل جائے گی اور اس دن ظہیر احمد نے یہی خوشخبری گھر آ کر سنائی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل نے اسے بہت اعلیٰ جاب سے نوازا۔ الحمد اللہ

ظہیر احمد ایک بے انتہا فرماں بردار بیٹا تھا بس ماں باپ کے کہنے کی دیر ہوتی اور وہ کام ہو جاتا۔ کئی دفعہ ماں باپ کے کہنے سے پہلے ہی ان کی کسی بھی خواہش کا جب علم ہو جاتا تو فوراً ان کی خوشی کو مقدم جانتا اور پوری کر دیتا۔ ہمارے ابا جان اور امی جان کے لیے یہ نور نظر ہمیشہ انکے لیے راحت و آرام اور سینوں کی ٹھنڈک کا باعث بنا۔ وہ دونوں بھی دن رات ظہیر احمد کے لیے دعائیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ ایک دفعہ امی جی نے ویسے ہی اظہار کیا کہ کینیڈا کے ٹونٹیوں کے پانی میں کلورین کی زیادتی ہوتی ہے کئی دفعہ پیا نہیں جاتا ظہیر احمد نے اسکے بعد معمول بنا لیا کہ ہمیشہ میٹھے چشموں کا فلٹر شدہ پانی بڑی بوتلوں میں امی جان کے لیے لا کر رکھتا کبھی ختم نہ ہونے دیتا امی جان نے دعائیں دیتے ہوئے کہنا کہ جس طرح ظہیر احمد ٹھنڈے میٹھے پانی سے میرا دل ٹھنڈا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بھی اپنی ٹھنڈی چھاؤں میں شاد رکھے اسی طرح وقتاً فوقتاً انہیں خوبصورت تحائف سے نوازتا رہتا۔ ایک وقت جب کچھ عرصہ کے لیے ہمارے والدین (احمدیہ بلڈنگ) (Ahmadiyya Abode of Peace) میں منتقل ہوئے تو ماں باپ کے گھر کا فریج اور فریزر ہر قسم کی گروسری سے ان کے کہے بغیر بھرا رکھتا اور کام کے بعد بلاناغہ ضرور چکر لگاتا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔

بہنوں کا لاڈلا تو وہ تھا ہی مگر وہ ان سے بہت بڑھ کر محبت کرنے والا ان کا خیال رکھنے والا ان کے ہر دکھ سکھ میں کام آنے والا صحیح معنوں میں ہمدرد اور مخلص بھائی تھا جس پر ہم سب کو مان تھا۔ اپنے سے چھوٹے اور بڑے بھائیوں کے لیے ایک دست راست کی حثیت رکھتا تھا ان کی ایک آواز پر دوڑتے چلے آنا اور ہر موقع اور معاملے میں بے غرضی کے ساتھ اپنا ہر قسم کا تعاون اور مدد پیش کر دینا بلاشبہ اس کے ایثار کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ خاندان کے سب بچوں کا محبوب ماموں اور چچا تھا اور ہر موقع اور کامیابی پر خوب حوصلہ افزائی کرتا اور بہترین مشوروں سے نوازتا۔ اسی طرح وہ اپنے پیارے بچوں کا ایک بے مثال اور شفیق باپ ایک ہمدرد دوست اور اپنی شریک حیات کا بہت ہی باوفا تعاون کرنے والا شریک سفر تھا۔ اُسے اپنے تمام دُور و نزدیک کے رحمی رشتوں کو جوڑ کر رکھنے اور تعلق نبھانے میں کمال حاصل تھا۔ وہ اپنے سب دوستوں کا ایک ایسا وفادار دوست تھا جو ہر خوشی غمی میں ہر حال میں اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا۔ اس نے اپنے بہت پرانے دوستوں کے ساتھ آخر دم تک وفا نبھائی انہیں آخری لمحوں میں بھی یاد کرتے ہوئے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور ملاقات بھی کی۔

پیارا بھائی ظہیر احمد انتہائی مہمان نواز اور خوش خُلق انسان تھا اس کے گھر جا کر احساس ہوتا تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مہمان کے اعزاز میں کسی ضیافت کا اہتمام نہ کرے یہ خوبی (اور خوبیوں کے علاوہ) اسکی بیگم ہماری ثُریا بھابھی میں بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے دونوں میاں بیوی مہمان کی آؤ بھگت کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ہمارے خاندان کی فیملی پکنکوں کا اصل روح و رواں ہی ظہیر احمد تھا باربی کیو کا سارا انتظام کرنا سب کو اکھٹا کرنا اور خوبصورت پارکوں میں سب کے ساتھ دن گزارنا مختلف اسپورٹس اور گیمیں کھیلنا ظہیر احمد کا ہی خاصا تھا۔ ظہیر احمد کے بغیر اس قدر پر لطف پکنکوں کا ہم تصور ہی نہ کر سکتے تھے۔ ان ساری خوبیوں کے ساتھ متصف وہ ہمارے خاندان میں ایک ایسا ہیرا تھا جس کی سب ہی قدر اور محبت کرتے تھے ہر ایک کے ساتھ اُس کے پیار اور محبت کا ایک الگ ہی انداز تھا۔ ایسے پیارے وجود کی دائمی جدائی یقیناً خاندان میں ایک گہرا شگاف چھوڑ جاتی ہے حقیقتاً بعض وجود ایسے خاص ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں ایسے ودیعت کر دی ہوتی ہیں کہ وہ ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں اور ظہیر احمد ایسا ہی خاص برکتوں والا وجود تھا۔

ظہیر احمد کی عادت تھی کہ اکثر ہر دوسرے تیسرے روز حال احوال دریافت کرنے کے لیے فون کرتا چونکہ بہت بے تکلفی تھی تو ہر قسم کے روزمرہ کے مسائل اور باتیں آپس میں تفصیلاً شئیر کی جاتی تھیں۔ کئی دفعہ نہ چاہتے ہوئے بھی کسی پریشانی کا اظہار کرنے پر وہ بہت آہستگی اور حوصلے کے ساتھ سنتا رہتا بات مکمل ہونے بعد رائے دیتا اور اسقدر پیاری سکون دینے والی تسلی بخش باتیں کرتا کہ پتہ ہی نہ چلتا کہ مسئلہ کہاں گیا ہے یا کوئی مسئلہ تھا بھی یا نہیں۔ بہت معلوماتی اور دلچسپ گفتگو کرتا کہ حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح جنرل نالج میں ہر بات کی تہہ تک رسائی رکھتا ہے۔ کوئی بھی شعبہ ہو کسی چیز کے بارہ میں کچھ دریافت کرنا ہو بس ظہیر کو فون کر لیں چلتا پھرتا انسکلو پیڈیا کھول لیا ہے۔ ظہیر احمد کو علم حاصل کرنے اور اسے آگے بڑھانے کی ایک نہ ختم ہونے والی لگن تھی۔ معلوماتی اور مفید مضامین ہمیشہ زیر مطالعہ رہتے اور ہم سے شئیر کرتا رہتا۔ گفتگو کے دوران کبھی سامنے والے کو کسی علمی کم تری کا احساس نہیں ہونے دیتا بلکہ بہت انکساری، وضع داری، اور عزت کا لحاظ رکھتا۔ کینیڈا آنے کے بعد اسکے ہائی اسکول کے ٹیچر بھی مضامین میں اسکے گہرے مطالعے اور علم کے معترف ہوتے تھے۔

ظہیر احمد کو باغبانی اور ٹیکنیکل کام کی مہارت میں یدطولیٰ حاصل تھا جب بھی ہم اس کے گھر جاتے کسی نہ کسی پراجیکٹ میں مصروف ہوتا۔ گارڈن تو اس کے پھولوں اور کئی قسم کے نایاب پودوں کے شوق کا منہ بولتا نظارہ پیش کرتا۔ گرمیوں کے موسم میں کئی پودوں پر نئے تجربات کرتا رہتا چونکہ یہ شوق مجھے اور دیگر بہن بھائیوں کو بھی ہے تو ہمارے لیے ہر سال اس موسم میں اس کی نئے نئے پودوں پر ریسرچ اور گارڈن میں دلچسپی کے دیگر پراجیکٹ بہت دل چسپی کا باعث ہوتے۔

کئی دفعہ کہتا تھا کہ فطرتی حسن اور باغوں وغیرہ میں میری طبعیت بہت خوش ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی فطرت کو محظوظ کرتے ہوئے بہت کچھ سوچنے اور شکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے اگر کبھی بھی گھبراہٹ یا پریشانی ہو تو گھر سے باہر واک پر جاؤ یا پارک میں چہل قدمی کیا کرو یا پھر کسی گارڈن سینٹر کا چکر لگا لیا کرو طبعیت بہت بہتر ہو جاتی ہے، اللہ کی قدرت پر ہی غور کرنا انسان کو زندگی کا مثبت پہلو دکھانے اور مایوسی سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ اور واقعی اس بات میں گہری حکمت پوشیدہ ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔

ظہیر احمد اکثر بذلہ سنجی اور لطائف سے محفل کو زعفران زار بنا دیتا اس کی معیت میں بوریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا دنیا کے ہر ٹاپک پر تبصرے، معلومات کا تبادلہ ہنسی مذاق، مہمان نوازی، احترام، محبت اور ایک ایسی مثبت انرجی کہ دل چاہتا تھا کہ اسکی محفل میں وقت کبھی نہ گُزرے۔۔اب وہ باتیں، وہ قصے خواب ہوئے، وہ محفلوں کا قصہ خواں ہنستا مسکراتا جنتوں کو سدھار گیا اور ہم ان ہی سنہرے دنوں کی قیمتی ڈور تھامے اسے اپنی یادوں میں پاتے ہیں۔

بچپن سے ہی ظہیر احمد صابر وشاکر وجود تھا جب ظہیر احمد پہلی کلاس میں تھا تو ایک دن تفریح کے دوران دوڑتے ہوئے کسی بچے کے پیچھے سے دھکا لگ کر گر جانے وجہ سے شدید چوٹ آئی کہ بازو کی ہڈی بری طرح ٹوٹ گئی اسکو فوراً کھاریاں چھاؤنی کے سی ایم ایچ اسپتال لے کر گئے اور فوراً بہت لمبا کامیاب اپریشن ہوا ڈاکٹروں نے بعد میں بتایا کہ ذرا بھی دیر ہو جاتی تو بازو کاٹنا پڑنا تھا خوش قسمتی سے بہت وقت پر پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکمل شفاً عطاًفرمائی اور بازو بالکل کسی بھی قسم کے باقی رہ جانے والے اثر کے بغیر نارمل ہوگئی سوائے صرف ٹانکوں کے نشان کے جو وقت کے ساتھ کچھ معدوم ہو گیا۔ امی جان بتاتی تھیں کہ اس قدر تکلیف کے باوجود ظہیر احمد کے منہ سے ذرا بھی ہائے یا چیخ وغیرہ نہیں نکلی۔ آپریشن کے بعد ریکوری کی تکلیف میں امی جی کو کہنے لگا کہ اگر ناصرہ ہوتی تو لگ پتہ جانا تھا اس نے تو آسمان سر پر اٹھا لینا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی اسے ملنے اسپتال جاتی تو مجھے کہتا کہ درد تو بہت ہوتا ہے مگر میں زیادہ شکایت نہیں کرتا اگر تم میری جگہ ہوتی تو دھائی ڈال دیتی۔ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے اسے مکمل صحت عطاًفرمائی اور پھر خدا نے یہ معجزے اس کی زندگی میں بار بار دکھائے۔

جب ظہیر احمد دوسری یا تیسری کلاس میں تھا اس زمانے میں چیچک کی وبأ کا بہت زور تھا اور حکومت کی جانب سے اسپتالوں کے علاوہ اسکولوں میں بچوں کو ویکسین لگانے کا کام شروع ہوا تو ظہیر احمد کو بھی ویکسین لگ گئی اس کے اگلے دن ہلکا بخار اور جسم پر دانے نمودار ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے سارا جسم بھر گیا ڈاکٹروں کے مطابق ویکسین کے ریکشن میں چیچک کا مادہ ہی جسم پر دانوں کی صورت میں نکل آیا تھا اس چھوٹے سے بچے نے اس قدر تکلیف اٹھائی کہ دیکھا نہ جاتا تھا مگر انتہائی صبر اور برداشت کے ساتھ کہ حیرانی ہوتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس طرح مکمل شفاء عطاء فرمائی کہ ٹھیک ہونے پر دانوں کا نام نشان اس طرح غائب ہوا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس بچے کو کبھی چیچک کا بھی حملہ ہوا تھا تمام جسم صاف و شفاف ہوگیا کہ ڈاکٹر بھی حیران رہ گئے۔

ظہیر احمد کی زندگی میں بیماری کا ایک اور بڑا دور عین جوانی میں پینتالیس سال کی عمر میں آیا۔ ایک بظاہر روٹین کے عمل (اینجیو پلاسٹی) (Angioplasty) کرتے ہوئے دل کی نازک شریان پھٹ گئی اور انتہائی تشویشناک حالت میں بائی پاس کرنا پڑا جو کامیاب تو ہوا مگر حالت بدستور تشویشناک تھی اور ریکوری بہت ہی آہستہ تھی اس سارے عمل میں دل کی حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت فضل کے ساتھ انتہائی مایوس کن حالت سے صحت کی طرف لوٹایا۔ اسکے بعد کے تیرہ سال میں ایسے نشیب و فراز آئے کہ جہاں ڈاکٹروں کی امیدیں ختم ہو جاتی تھیں وہاں سے معجزات کا دور شروع ہو جاتا اور ایک وقت آیا کہ ڈاکٹروں نے دل اور پھیپھڑوں (Heart and Lungs) کے ٹرانسپلانٹ کی لسٹ میں ڈال دیا جسکی باری آنے کی ایک لمبی لائن ہوتی ہے۔ اور باری آنے کے انتظار کے درمیانی عرصہ کے لیے مکینیکل دل لگانے کی تجویز دی جو بیٹریوں سے چلتا ہے اور بیٹریوں کا بیگ کندھے پر ہمہ وقت اٹھانا اور کچھ وقفے سے چارج بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک پیچیدہ اپریشن کے ساتھ لگایا گیا۔ بہت ہمت سے ظہیر احمد سارے مشکل ترین مراحل سے گزرا کوئی مایوسی اور گھبراہٹ کا شائبہ تک چہرے پر نہ آنے دیا۔ بلکہ ہم سب کی گھبراہٹ کو تسلیوں سے دور کرتا تھا۔ مکینیکل دل کے ساتھ ظہیر احمد نے اپنے شافی و کافی خدا کی دی ہوئی ہمت سے چلتے پھرتے دو سال گزارے۔ جب مکینیکل ہارٹ کی مدت ختم ہونے والی تھی تو معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے ٹرانسپلانٹ کا انتظام کر دیا۔ یہ ایک بہت پیچیدہ لمبا اور خطرات سے پُر آپریشن تھا۔ گھبراہٹ اور خوف نے ہم سب کو جکڑا ہوا تھا زبانیں خاموش مگر دل رب کے حضور دعاؤں اور التجاوں میں اسکے رحم اور فضل کے امید وار تھے۔ اسپتال میں ہم نے ظہیر احمد کو کمال حوصلہ، توکل اور امید بھری مسکراہٹ کے ساتھ آپریشن تھیٹر کی طرف روانہ ہوتے دیکھا۔ ہماری پیاری امی جان محترمہ مبارکہ بیگم صاحبہ پیارے بیٹے کے لیے دعاوں میں دن اور رات مصروف رب کے حضور التجائیں کرتے ہوئے اچانک طبیعت کی خرابی سے ایک دوسرے اسپتال پہنچ گئیں اور دو دن بعد جس دن ظہیر احمد کا ٹرانسپلانٹ ہوا اس دن اس خبر کو سننے کے بعد کہ ظہیر کا آپریشن کامیاب ہوگیا ہے اور حالت نازک ہے، امی جان اچانک اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئیں۔ امی جان کے ڈاکٹروں کو یہ ہی سمجھ نہ آئی کہ کیا ہوا ہے کیونکہ ٹیسٹ سارے ٹھیک تھے اور باتیں بھی کر رہی تھیں ایسے لگتا تھا کہ ایک بے چین ماں کا دل اپنے جوان بیٹے کی لمبی بیماری اور خطرات سے پر تکلیف دہ آپریشنوں سے گزرتے ہوئے دیکھتے برداشت نہ کر سکا۔

ہم سب خاندان والوں کے لئے وہ وقت ایک امتحان سے کم نہ تھا اِدھر ایک اسپتال میں پیارا بھائی ظہیر احمد اپریشن کے بعد موت و زندگی کی جنگ لڑ رہا ہے اُدھر ہماری پیاری شبانہ روز دعائیں کرنے والی ماں ہم سب کا ساتھ چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔

وہی خدا ہے جو سہارا ہے جو زخموں پر پھاہے رکھتا اور غموں کو خوشیوں میں بدلتا ہے۔ اسی کے حضور سر تسلیم خم ہے۔

ظہیر احمد کے ٹرانسپلانٹ کے بعد لمبی ریکوری کی الگ معجزات سے بھری داستان ہے۔ بس رب رحیم و ودود کے انتہائی کرم سے ظہیر احمد نے زندگی کے مزید نو سال بہت مثبت، فعال اور بھرپور گزارے، الحمد اللہ۔ ٹرانسپلانٹ کی کئی پیچید گیاں بعد کے سالوں میں ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے آخر میں کئی مسائل ہو گئے تھے اور پھر 20 مارچ 2018ء کو اپنے رب کے حضور پچپن سال کی عمر میں حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔

ظہیر احمد کو شخصیت کے حوالے سے اگر میں دو لفظوں میں بیان کروں تو وہ ''صبر اور برداشت'' ہے ان دو لفظوں کے گرد اس کی زندگی کی کہانی گھومتی ہے۔ ہمت، حوصلہ، برداشت، توکل، مثبت سوچ، اللہ کا شکر، عاجزی و انکساری جیسے سب پھل صرف اور صرف صبر کے درخت پر ہی لگتے ہیں۔ ظہیر احمد نے صبر کے درخت کو تنے سے پکڑا ہوا تھا اور کبھی بھی مشکل سے مشکل وقت میں بھی صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا اسی لیے تمام امتحانوں سے گزرنے کے باوجود ان تمام پھلوں کو حاصل کرنے والا صابر اور شاکر وجود شکوہ شکایت کا ایک لفظ منہ سے نہ نکالتا۔

اے میرے پیارے رب! تو ہمارے پیارے بھائی ظہیر احمد کو اپنی رضا کی جنتوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام سے نواز کہ اس نے اپنی زندگی میں مقدر تکلیفوں پر بے انتہا صبر کے ساتھ تیری رضا کو خوشی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

اے رحیم و کریم خدا! تو ظہیر احمد کے اہل خانہ، اس کی رفیقۂ حیات اور اس کے پیارے بچوں کا ولی اور نگہبان ہو جا، اور اپنے بچوں کے لیے ظہیر احمد کے دل کی خواہشات اور مستقبل کے خواب اور وہ دعائیں جو اپنی زندگی میں اپنے بچوں کے لیے مانگتا تھا وہ سب ان کے حق میں پوری فرما۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رفیع رضا قریشی

میرے پڑنانا حضرت سید محمد رضویؓ

صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام

میری والدہ محترمہ ساجدہ رضوی زوجہ مکرم عزیز احمد قریشی بھاگلپوری کا تعلق حیدرآباد دکن انڈیا سے تھا۔

آپ مکرم سید مولوی محمد رضوی وکیل ہائی کورٹ آف حیدرآباد دکن کی سب سے بڑی پوتی تھیں۔ آپ کے دادا جان کا بانی جماعت کی کئی کتابوں میں ذکر ملتا ہے ان کے بارے میں چند معلومات بیان کر رہا ہوں۔

حضرت مولوی سید محمد رضویؓ کے والد صاحب کا نام نواب امیر ابو طالب تھا۔ آپ 1862ء یا 1864ء میں بمقام ایلور علاقہ مدارس میں پیدا ہوئے۔ حیدرآباد میں ہائی کورٹ کے وکیل تھے۔

آپ کی بیعت ابتدائی ایام کی ہے۔ آپ نے سلسلہ کی بہت مالی معاونت کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مسجد اقصیٰ کیلئے دریوں کا تحفہ بھی لائے۔ جماعت شملہ نے بزرگوں کی آمد سے فائدہ اٹھانے کیلئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی آمد پر جلسہ کیا تو آپ نے اس جلسہ کے اخراجات برداشت کئے۔

آپ کو حضور کی 14 مئی 1900ء کی ایک بابرکت مجلس میں سوال پوچھنے کی سعادت بھی حاصل رہی۔

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اعلیٰ درجہ کا کیوڑہ بھیجا کرتے تھے۔

آپ ایک مرتبہ قادیان آئے چونکہ حیدرآباد کے لوگوں کو عموماً ترش سالن کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ کیلئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے کھٹے سالن تیار ہوا کریں تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ مکرم خواجہ کمال الدین صاحب لندن پریوی کورٹ میں آپ کے مقدمہ میں اپیل کے لیے گئے تھے۔ حضرت رضوی صاحب نے تمام اخراجات اس سفر کے برداشت کئے تھے علاوہ ازیں آپ کو مالی قربانیوں کی بہت توفیق ملی۔ آپ حیدرآباد دکن سے 1909ء میں بمبئی منتقل ہو گئے تھے۔ 3 آگست 1932ء سے بمبئی میں ہی وفات پائی۔

آپ کے ایک ہی بیٹے سید عبد المومن رضوی صاحب پیدائشی احمدی تھے۔

میرے نانا محترم نواب سید عبد المومن رضوی نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی محترمہ زینب بیگم اور دوسری محترمہ حلیمہ بیگم جن کا ذکر خیر تحریک جدید پانچ ہزاری مجاہدین میں ان مخلصین میں ملتا ہے۔ جنہوں نے محبوب آقا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے اموال کی قربانی پیش کی تھی۔

میرے نانا جان نے مع اپنی والدہ محترمہ بسم اللہ بیگم اور دونوں بیگمات اس تحریک میں حصہ لیا تھا میری نانی جان محترمہ زینب بیگم زوجہ نواب سید عبد المومن رضوی بمبئی والی خاتون کے نام سے معروف تھیں۔ لجنہ اماء اللہ ضلع میں بھی خدمت کی توفیق ملی تھی۔

میرے نانا جان کے بچوں میں مکرم سید عبد الباسط رضوی کینیڈا میں مقیم ہیں اور میرے نانا کے ایک پوتے مکرم سید عطاء الواحد رضوی ابنِ سید الباقی رضوی مرحوم مربی سلسلہ خدمت دین کی توفیق پا رہے ہیں۔ دیگر نواسے اور نواسیاں بھی احمدیت اور خلافت سے وابستگی رکھتے ہوئے حضور انور کی دعاؤں کے طفیل اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔

بقیہ: دربارِ خلافت ..... از صفحہ 2

پس یہ ایک مومن کی شان ہے کہ جب وہ بندوں کے احسانوں کا بھی شکر گزار ہوتا ہے تو احسان کا منبع خدا تعالیٰ کی ذات کو سمجھتا ہے بلکہ جب کسی کی طرف سے نیک سلوک دیکھتا ہے تو اس نیک سلوک کی وجہ بھی خدا تعالیٰ کی ذات کو سمجھتا ہے کہ اُس نے دوسرے کے دل میں نیک سلوک کرنے کا خیال ڈالا۔ پس ایک حقیقی مومن کی سوچ ہر فائدہ پر چاہے وہ کسی بھی ذریعے سے پہنچ رہا ہو اُسے خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف لے جاتی ہے۔ اور جب یہ صورت ہو تو وہی حقیقی حمد ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں توجہ دلوائی ہے اور توجہ قائم کرنے کا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے افرادِ جماعت کی اکثریت تو اس سوچ سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہے اور کرنی چاہئے کہ ایمان بھی اس حقیقی حمد کے ساتھ ہی ترقی کرتا ہے لیکن من حیث الجماعت بھی ہمیں یہی سوچ رکھنی چاہئے کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ جو جماعت کو مختلف نہج پر آگے بڑھتا ہوا دکھاتا ہے تو اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے بنیں اور ہمیشہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ کی حقیقی روح کو جاننے والے ہوں۔ اور جب اس طریق پر ہر طرف حمد ہو رہی ہو گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ کر برسے گی۔ یہ حقیقی حمد انسان کے اندر ایک روحانی انقلاب بھی پیدا کرتی ہے۔ باریک تر شرک سے بھی بچاتی ہے۔ ایک انسان کو حقیقی عابد بناتی ہے اور پھر اُن حکموں کی تلاش کر کے اُن پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ انسانی قدروں کو اپنانے اور اعلیٰ اخلاق دکھانے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ پس یہ حمد ہے جس کے کرنے کی ہمیں تلاش رہنی چاہئے۔

(خطبہ جمعہ 20/ جولائی 2012ء بحوالہ از الاسلام ویب سائٹ)

آج کی دعا

طلب خیر کی دعا

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہمیں خیر ہی خیر ملتی رہے

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۵﴾

(القصص:25)

ترجمہ: اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

یہ حضرت موسیٰؑ علیہ اسلام کی قرآنِ کریم میں مذکور طلبِ خیر کی بہت پیاری دعا ہے۔

حضرت موسیٰؑ علیہ اسلام نے قتل کئے جانے سے بچنے کے لئے خدائی حکم کے تحت اپنی قوم سے ہجرت کی۔ پردیس میں ان کے لئے کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک جگہ پر انہوں نے دو نیک لڑکیوں کے لئے انکے مویشیوں کو پانی پلایا اور مندرجہ بالا دعا کی۔ خدا تعالیٰ نے آپؑ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ ان دو میں سے ایک لڑکی سے آپؑ کی شادی ہو گئی اور آپؑ کو رہائش بھی میسر آ گئی۔

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد بار اس دعا کی طرف جماعت کو توجہ دلائی ہے۔ آپ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (اَللّٰھُمَّ اَیِّدۡ اِمَامَنَا بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ وَکُنۡ مَعَہٗ حَیۡثُ مَا کَانَ وَانۡصُرۡہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا) فرماتے ہیں

پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مثلاً ایک دعا جو حضرت موسیٰؑ کی ہے رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ (القصص: 25) کہ اے میرے ربّ! مَیں تیری ہر چیز، ہر خیر جو تو مجھے دے مَیں اس کا محتاج ہوں۔ یہ دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہمیں خیر ہی خیر ملتی رہے۔

(خطبہ جمعہ 5 دسمبر 2008)

(مرسلہ: مریم رحمٰن)

چوہدری نصیر احمد۔ کینیڈا

یادوں کے دریچوں پر حاضری

تعلیم الاسلام کالج ربوہ اور اس کے طلباء کا مسکن فضل عمر ہوسٹل کی چند انمنٹ یادیں

؎ کیا ڈھونڈتے ہو فصلِ خزاں میں بہار کو
اب وہ چمن کہاں ہے، وہ رنگِ چمن کہاں

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سابق پروفیسرز، اساتذہ یا پرانے طلباء کالج کے بارہ میں تو گاہے بگاہے کچھ لکھتے رہتے ہیں لیکن اس عظیم درسگاہ کے فضل عمر ہوسٹل کی زندگی کی یادوں پر کم لکھا گیا ہے۔ یا کم از کم میری نظروں سے تو ایسا مضمون نہیں گزرا۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ کالج کے طلباء کی اکثریت ربوہ شہر ہی کی رہنے والی تھی اسلئے ہوسٹل کی اندرونی زندگی اور ماحول سے قدرے آگاہ نہیں تھے۔ مجھے دو سال (1968ء تا 1970ء) اِس کالج میں طالب علم اور فضل عمر ہوسٹل میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ گزشتہ دس بارہ سالوں سے دماغ میں یہ خیال گردش کرتا رہتا تھا کہ ہوسٹل کی زندگی کی یادوں پر کچھ لکھنا چاہئے لیکن یہ خیال قلم تک نہیں پہنچتا تھا۔ حال ہی میں ٹی آئی کالج کے زمانہ کے ایک ہونہار کلاس فیلو سے پچاس سال بعد اتفاقاً فون پر بات ہوئی تو کچھ پرانی باتوں کے درمیان میں نے یہ تذکرہ بھی کر دیا۔ یہ سنتے ہی موصوف اس قدر متحرک ہوئے کہ اپنے بچپن کی تربیت کی بنا پر یہ پیشکش بھی کر دی کہ اگر میں اپنی یادوں کو بول کر ریکارڈ کر کے ان کو روانہ کر دوں تو وہ رضا کارانہ طور پر اس کو ٹرانسکرائب کر دیں گے؟ میرے دیرینہ کلاس فیلو کی اس ترغیب نے میرے پرانے خیال کو ایسا متحرک کیا کہ میرے قلم پر لگے زنگ کو دور کر دیا۔ ممکن ہے میرا یہ مضمون کسی معمولی حد تک کالج کے تاریخی ادب کی کمی کو پورا کر دے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ پچاس سال پہلے جب سے فضل عمر ہوسٹل چھوڑا ہے، آج تک کسی سے کبھی بھی ان واقعات کا ذکر نہیں کیا، نہ زبانی، نہ تحریری۔ اس لئے یہ باتیں میری یادوں سے آج پہلی بار نکل رہی ہیں۔ اسلئے ان لفظوں میں میری آنکھ اور دل بھی شریک ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ یادیں میرے ذاتی مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مشتمل ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے بیان کو کسی لگی لپٹی کے بغیر ہی لکھا جائے تا کہ اُس دور کی یاد اُسی طرح محفوظ ہو جس طرح واقعات ہوئے تھے۔ مجھے یہ بھی علم ہوا ہے کہ چند پرانے طلباء نے ٹی آئی کالج کے پرانے زمانہ کا طلباء کا رسالہ المنار آجکل دوبارہ آن لائن جاری کیا ہوا ہے جس سے وہ اپنی پرانی یادوں سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ پڑھنے والوں میں سے اگر اُس دور کے کسی پرانے طالب علم کی نظر سے یہ مضمون گزرے تو میری خواہش اور درخواست بھی ہے کہ وہ بھی اپنی یادوں کو کھوجتے ہوئے ضرور کچھ لکھیں۔ مشہور شاعر وحشت کلکتوی کے بقول

؎ مزا آتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں سے ہم بیان کرتے، کہیں سے تم بیان کرتے

آیئے! میں آپ کو اپنی یادوں کے دریچوں سے آنے والی ہواؤں سے متعارف کراؤں۔ میٹرک کا امتحان میں نے گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں ضلع گجرات سے پاس کیا اور والدین کی خواہش پر 1968ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ایف ایس سی پری انجینئرنگ میں داخلہ لے لیا۔ والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں انجینئر بنوں۔ رہائش کیلئے فضل عمر ہوسٹل کا انتخاب کیا گیا۔ میرے لئے یہ سب ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ دل میں کالج کی زندگی کی کچھ آزادی کی خوشی اور کچھ نئی جگہ جانے کے انجانے خوف کے ملے جلے جذبات تھے۔ کالج میں کل طلباء کی تعداد کا تو علم نہیں لیکن ان دنوں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کوئی اڑھائی سو کے قریب طلباء ہوسٹل میں رہتے تھے۔ ان میں سے سو کے قریب احمدی تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ربوہ کے نواحی علاقوں سے آئے ہوئے تھے جو احمدی نہ تھے۔ اسی طرح طلباء کی ایک خاصی تعداد چنیوٹ اور اردگرد کے قصبوں اور گاؤں سے بھی کالج میں پڑھنے آتی تھی اور یہ سب طلباء بھی احمدی نہ تھے۔ اُس زمانہ میں کالج کی احمدی انتظامیہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی کے مذہبی فرقہ کا کم ہی پتہ ہوتا تھا۔ سب ہی صرف طالبِ علم تھے۔

ہوسٹل کا عمومی نظام

جس سال میں نے داخلہ لیا اسوقت کالج کے اصل پرنسپل تو مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم تھے لیکن مکرم صوفی بشارت الرحمان بطور قائم مقام پرنسپل کام کر رہے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ مکرم قاضی صاحب ٹانگ پر چوٹ کے باعث علیل تھے اور چند ماہ کی رخصت پر لاہور گئے ہوئے تھے۔ ہوسٹل کے وارڈن مکرم چوہدری محمد علی تھے جو کالج میں فلسفہ پڑھاتے تھے۔ انکے نائب مکرم سعید اللہ خان تھے جو کالج میں شماریات کا مضمون پڑھاتے تھے۔ ہوسٹل کے ایک اور نوجوان نگران مکرم منور شمیم خالد بھی تھے جو کالج میں پولیٹیکل سائنس کا مضمون پڑھاتے تھے۔ اسی طرح بعد میں ایک اور نوجوان مکرم محمد اسلم منگلا، جنہوں نے انہی دنوں میں ایم اے پاس کیا تھا اور کالج میں اسلامیات پڑھاتے تھے، انکو بھی ہوسٹل کا ایک سپروائزر مقرر کر دیا گیا تھا۔ طلباء میں سے چار مزید نگرانی کرتے تھے جن کو پریفیکٹ کہا جاتا تھا۔ ان کا کام طلباء کے چھوٹے مسائل حل کرنا ہوتا تھا۔ یہ عموماً بی اے کی آخری کلاس سے لئے جاتے۔ ہر پریفیکٹ ہوسٹل کی ایک ونگ کا انچارج ہوتا۔ انتظامی لحاظ سے یہ نگرانی کا ایک مضبوط نظام تھا۔ رہائش کیلئے ایک تو ہوسٹل کی مین بلڈنگ تھی جس کا ڈیزائن چکور نما تھا۔ اسکی چار ونگ تھیں اور ہر ونگ میں دونوں طرف کمرے اور درمیان میں بڑی سی گلی تھی۔ بلڈنگ کے درمیان بڑا کھلا صحن تھا جہاں نماز کیلئے صفیں بچھائی جاتیں۔ دوسری منزل پر صرف دو کمرے تھے جن میں اکثر غیر ملکی طلباء ہی رہتے تھے۔ اس بلڈنگ کے علاوہ کچھ علیحدہ مکانات تھے جن کو انیکسی کہا جاتا تھا۔ کچھ سینئر طلباء کو جو بی اے کی کلاسوں میں تھے انہیں انیکسی مکانات میں رہنے کی اجازت مل جاتی تھی اسطرح وہ ہوسٹل کے سخت قوائد وضوابط اور نگرانی سے قدرے آزاد ہو جاتے تھے۔ ہوسٹل کی مین بلڈنگ میں نئے آنے والے طلباء رہتے تھے اور انکی نگرانی بھی سخت تھی۔ رہنے کا انتظام کچھ ایسا تھا کہ مین بلڈنگ میں دو قسم کے کمرے تھے۔ ایک وہ جن کو ڈارمیٹری کہا جاتا تھا اور ان میں چار طلباء رہتے تھے۔ دوسرے چھوٹے سنگل رہائشی کمرے تھے جن کو عموماً (Cubicle) کہا جاتا تھا جو بی اے کے چند ہونہار طلباء کو ملتے تھے یا پریفیکٹ صاحبان کو سنگل کمرہ ملتا تھا۔

ہوسٹل کی عمومی زندگی

کالج اور ہوسٹل کا درمیانی فاصلہ چند قدم یا ایک فرلانگ ہی تھا اسلئے ہوسٹل میں رہنے والے طلباء، جب کوئی کلاس نہ ہوتی اپنے کمرہ میں بھی آسکتے تھے لیکن جو طلباء ربوہ شہر کے رہنے والے تھے، جن کو ڈے سکالرز کہتے تھے، فارغ اوقات میں وہ کالج میں ہی ٹولیوں کی شکل میں گپ شپ لگاتے یا کالج کی ٹک شاپ میں چائے کی محفل جماتے۔ ہمارا دن کا اکثر وقت تو کالج کی کلاسوں میں گزر جاتا، اسکے بعد ہم لوگ واپس ہوسٹل آکر اپنے کامن روم میں کیرم بورڈ یا ٹیبل ٹینس کھیلتے، یا ویسے ہی خوش گپیوں میں وقت گزارتے۔ بعض پڑھاکو قسم کے طلباء تو اپنی پڑھائی میں لگ جاتے۔ کامن روم میں ایک ریڈیو بھی تھا، جس کا مقصد خبریں سننا تھا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ جنرل ایوب خان نے 1968ء میں جب یہ اعلان کیا کہ وہ اگلے صدارتی الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے اور پھر مارچ 1969ء میں صدارت سے استعفیٰ دیا تو یہ دونوں خبریں میں نے کامن روم کے اسی ریڈیو پر سنی تھیں۔ ہوسٹل میں ڈنر کے بعد مغرب کی باجماعت نماز ہوتی اسکے بعد کچھ فارغ وقت، جو عموماً چہل قدمی یا ٹک شاپ میں چائے پینے میں صرف ہوتا۔ اتنے میں عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا اور اسکے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے اور پڑھائی کا کام شروع کرتے۔ اس پڑھائی کے وقت یا سٹڈی ٹائم میں عموماً کوئی نگران ہوسٹل میں چکر بھی لگاتا تھا اور کبھی دروازہ کھول کر بھی دیکھ لیتا کہ کیا طلباء پڑھ رہے ہیں؟ عام طور پر تو نگران لوگ اکثر درگزر ہی کرتے تھے۔ البتہ سب سے بڑا خوف وارڈن یا چوہدری محمد علی صاحب کا ہی ہوتا تھا۔ جب کبھی کسی نے چوہدری صاحب کو دیکھ لیا اُسکی پہلی کوشش یہی ہوتی کہ باقی سب طلباء کو اُنکی ہوسٹل میں آمد کی اطلاع کر دے۔ ہمارے لئے ایک بڑی اچھی بات یہ تھی کہ مکرم چوہدری صاحب ایک خاص قسم کی خوشبو کا استعمال کرتے تھے۔ چوہدری صاحب ہوسٹل کے اندر جس برآمدے سے گزر جاتے خوشبو کی لہریں چھوڑتے جاتے اسطرح طلباء کو پتہ چل جاتا کہ وارڈن صاحب بلڈنگ میں موجود ہیں۔ معلوم نہیں کہ خوشبو ان کو واقعی پسند تھی یا دانستہ اپنی آمد کا لطیف اعلان تھا۔ بہرحال ان کی آمد کے اس ذریعہ کی خوشبو پاتے ہی ہم اپنے کمروں میں جاکر پڑھائی شروع کر دیتے۔ غالباً امجد اسلام امجد نے یہ شعر چوہدری صاحب کے لئے ہی کہا ہو گا۔

؎ گزرے ہیں ترے بعد بھی کچھ لوگ ادھر سے
لیکن تری خوشبو نہ گئی راہ گزر سے

عشاء کی نماز پر حاضری

ہوسٹل کی زندگی میں سب سے اہم بات عشاء اور فجر کی باجماعت نمازیں تھیں جو سب کیلئے لازمی تھی۔ احمدی طلباء کی نماز علیحدہ ہوتی اور دیگر طلباء اپنی نماز الگ کرتے۔ ان دونوں نمازوں پر سب کی حاضری لگنی ہوتی تھی اسطرح انتظامیہ کو پتہ چل جاتا کہ کون ہوسٹل سے غائب ہے۔ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں کی حاضری نہیں تھی، گرمیوں میں ہم اکثر چارپائیاں باہر نکال کر کھلے صحن میں بھی سوتے تھے۔ چوہدری محمد

علی صاحب ہوسٹل آ کر طلباء کو صبح کی نماز کیلئے اُٹھاتے۔ انکا طریق یہ تھا کہ پائینتی کی طرف کھڑے ہو کر طلباء کے پاؤں دباتے اور آگے نکل جاتے۔سردیوں میں کوئی نگران کمروں کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹاتا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ چوہدری صاحب کی موجودگی بہر حال نماز پر زیادہ حاضری بنا دیا کرتی۔ عشاء کی حاضری پہلے سال مکرم منور شمیم خالد باقاعدہ سب کا نام بول کر رجسٹر میں لگاتے تھے اور دوسرے سال مکرم محمد اسلم منگلا نے یہ کام سنبھال لیا۔ جو بھی عشاء کی نماز کے وقت حاضر نہ ہوتا اس کو ایک روپیہ جرمانہ ہوتا۔ فجر کی نماز میں حاضر نہ ہونے کا پچیس پیسے جرمانہ تھا۔ اسطرح اگر دونوں نمازوں میں غیر حاضری ہوتی تو ثواب سے محروم ہونے کے علاوہ ایک روپیہ پچیس پیسے کا روزانہ کا نقصان ہوتا تھا۔ جو کسی وجہ سے حاضر نہیں ہوتے تھے ان کو نگران کے پاس جا کر معقول عذر بیان کرنا ہوتا تھا۔ ہر ماہ کے آخر میں غیر حاضر رہنے والوں کے نام جرمانہ والی لسٹ میں شامل کر کے نوٹس بورڈ پر آویزاں کر دیا جاتا، اسطرح سب طلباء کو پتہ چل جاتا کہ کون نماز نہیں پڑھتا اور کس کو کتنا جرمانہ ہوا۔ ہم لوگ جو ربوہ سے باہر سے پڑھنے آئے تھے ان کیلئے نماز نہ پڑھنے کا جرمانہ عجیب سی بات تھی اور نئی بھی تھی۔ اُس عمر میں ہمارے لئے صبح کی نماز کیلئے اٹھنا زیادہ بڑا جہاد تھا۔

کالج کا مشہور عام چوکیدار بابا شادی کالج کی انتظامیہ کا وفادار اور دیرینہ ملازم تھا۔ وہ دن کو تو کالج کی رکھوالی کرتا تھا لیکن رات کو ہوسٹل میں سوتا تھا۔ بنیادی طور پر ان پڑھ، لیکن بہت مستعد اور ہوشیار آدمی تھا۔اسکو حکم تھا کہ جو بھی ہوسٹل میں رات کو لیٹ آئے اس کی رپورٹ وارڈن صاحب کو کرے۔ اس کو چکمہ دینا اسقدر آسان بھی نہیں تھا۔ اسکا طریق یہ تھا کہ رات کو اپنی چارپائی ہوسٹل کے دروازہ کے اندر تھوڑا فاصلہ رکھ کر اور اپنی چارپائی کے پائیدان اور دروازہ کے درمیان اپنا مضبوط ڈنڈا پھنسا کر سوتا تھا۔ اگر کوئی باہر سے دروازے کو دھکا دے تو اس کی چارپائی زور سے ہل جاتی اور وہ اٹھ جاتا اور لڑکوں کو رجسٹر میں نام لکھنے کا کہتا۔ اس کے بغیر وہ جانے نہیں دیتا تھا۔ اگلے دن رجسٹر وارڈن صاحب کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور پھر وارڈن صاحب کے سامنے لیٹ آنے والوں کی پیشی ہوتی۔بعض اوقات ویسے ہی نماز سے غیر حاضر ہوتے، یا کبھی صرف سوئے رہنے کے باعث صبح کی نماز سے بھی غیر حاضری ہو جاتی تھی۔ اس طرح مہینہ کے آخر میں جرمانہ کی لِسٹ میں نام آجاتا اور ہر ماہ دس بارہ روپے کا جرمانہ بن جاتا ایک دفعہ جب ہم دوست ہوسٹل دیر سے واپس آئے تو دروازہ معمول کے مطابق بند پایا اور کوئی بھی بابا شادی کے رجسٹر میں نام لکھنے پر راضی نہ تھا۔ جاڑے کے دن تھے رات سردی بڑھنے لگی، صبح تک باہر انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک تجویز یہ ہوئی کہ قریبی کسی مسجد میں چلے جاتے ہیں اور رات وہاں گزار لیتے ہیں۔مختلف مساجد کو دیکھنا شروع کیا تو دارالرحمت محلہ کی مسجد کا دروازہ کھلا دیکھ کر اس کے اندر چلے گئے، لیکن کچھ دیر بعد وہاں بھی سردی نے آن پکڑا۔ کوئی کمبل وغیرہ تو اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ اب یہ تجویز سوجھی کہ صفوں کو گول لپیٹ کر انکے اندر لیٹا جائے، خیال یہ تھا کہ نمازیوں کے آنے سے پہلے یہاں سے بھاگ کر ہوسٹل میں داخل ہو جائیں گے۔ کرنا ایسا ہوا کہ رات کی خواری، تھکاوٹ، سردی اور صفوں کے کمبل سے گہری نیند آ گئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب موذن صاحب مسجد میں آ چکے تھے اور لڑکوں کو صفوں میں لپٹا دیکھ کر حیران اور پریشان تھے۔ پہلے اس کے کہ وہ چور چور کی دھوم مچاتے ہم سب وہاں سے اس طرح بھاگے جس طرح واقعی چور بھاگتے ہیں۔ جب ہوسٹل پہنچے تو دروازہ کھل چکا تھا، اور ہم نے فجر کی نماز میں شامل ہو کر حاضری بھی لگوالی۔

ایک لطیفہ یوں ہوا کہ دو لڑکے رات کو دیر سے آئے، بابا شادی نے حسب معمول ان کو نام لکھنے کا کہا تو انہوں نے بلا چون و چرا حامی بھر لی۔ اگلے دن جب رجسٹر وارڈن صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بابا شادی کو پوچھا گیا کہ کیا وہ لڑکوں کو شکل سے پہچانتا بھی ہے کہ نہیں۔ رات کے اندھیرے میں نیند سے اٹھا ہوا بابا کس طرح لڑکوں کو پہچان سکتا تھا۔ اس طرح بابا شادی کی بھی شامت آ گئی۔اب وہ سخت ناراض اور سارا دن جو جی میں آتا لڑکوں کو کہتا رہا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ رات لیٹ آنے والے دونوں لڑکوں نے چوہدری محمد علی صاحب اور صوفی بشارت الرحمان صاحب کا نام رجسٹر میں لکھ دیا تھا۔بابا شادی تو پڑھا لکھا نہ تھا کہ پڑھ لیتا۔

جرمانہ معاف کروانے کا طریقہ

جرمانہ سے بچنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ ساری رات باہر رہو اور جب فجر کی نماز کے وقت دروازہ کھلے تو اندر داخل ہو کر اپنی صبح والی حاضری لگوالو۔ اس طرح کبھی ہم یہ بات بھی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے کہ عشاء کے وقت بھی ہوسٹل میں ہی موجود تھے مگر نماز میں حاضر نہ ہو سکے۔ جرمانہ معاف کروانے کا قانونی طریقہ یہ تھا کہ وارڈن صاحب کو ایک درخواست دینی ہوتی جس میں کوئی قابل قبول وجہ بیان کرنی ہوتی۔ اگر وارڈن صاحب نے اس کو مان لیا تو وہ جرمانے کو معاف کر دیتے یا کبھی آدھا کر دیتے۔ بعض اوقات تو یہ طریقہ بھی چل جاتا تھا لیکن ہر ماہ تو درخواست نہیں دی جا سکتی تھی کیونکہ بہانے تو محدود تھے اور اس سے عادی مجرم ثابت ہونے کا خدشہ بھی تھا۔

حاضری کا رجسٹر

جس عرصہ میں مکرم محمد اسلم منگلا عشاء کی نماز پر حاضری لگاتے تھے ان کا طریق تھا کہ جو بھی حاضر ہوتا اس کے نام کے آگے پی P لگا دیتے اور جو غیر حاضر ہوتا اسکے نام کے آگے A کی بجائے صرف ایک چھوٹا سا نقطہ لگا دیتے تھے۔ اس میں منطق یہ تھی کہ اگر طالب علم بعد میں آجائے یا کوئی معقول وجہ بیان کرے تو اسکو پی P میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکے، اسطرح طالب علم جرمانہ سے بچ جائے۔

ہوسٹل میں منگل کا پلاؤ

ہوسٹل میں کھانے کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔طلباء پر مشتمل ایک میس کمیٹی تھی جو اس بات کا ہفتہ وار فیصلہ کرتی کہ کس دن کیا پکنا ہے اور پھر نوٹس بورڈ پر پورے ہفتہ کا پروگرام لگا دیا جاتا۔ اس طرح سب کو معلوم ہوتا کہ آج کھانے میں کیا ملے گا۔ صبح ناشتہ کی تو کوئی خاص بات اب ذہن میں نہیں رہی کیونکہ میں اکثر صبح کا ناشتہ کالج کی ٹک شاپ میں کیا کرتا تھا۔ ایک یا دو فرائی کئے ہوئے انڈے، ساتھ جمال بیکری کا بہت لذیز بن، اور چائے کا کپ، ابھی تک اس کا خاص مزا یاد آتا ہے۔ ہوسٹل میں لنچ میں تو اکثر دال چاول ہی ہوتے سوائے منگل کے دن، لیکن ڈنر پر ہر دن کوئی مختلف ترکاری یا آلو گوشت، مرغی کا قورمہ، بیف کباب اور کبھی پلاؤ بھی ملتا۔ لنچ کیلئے ہمارے میس کا ہال بارہ بجے کھل جاتا تھا اور کوئی دو گھنٹہ تک لنچ کا وقت رہتا تھا۔ اسی طرح شام کے کھانے کیلئے بھی مغرب کی نماز سے پہلے میس ہال کا دروازہ کھل جاتا جو عشاء کی نماز تک کھلا رہتا۔

یہ جو میں نے ابھی منگل کے دن لنچ کی بات کی ہے اس کا میری مستقبل کی پڑھائی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ پڑھیں اور لطف اُٹھائیں کہ کس طرح بظاہر معمولی، بے ضرر اور معصوم سے واقعات انسانوں کی زندگیوں پر کیسے گہرے اور نمایاں اثر ڈالتے ہیں۔ جیسے میں نے کہا ہے کہ لنچ کیلئے میس ہال کا دروازہ پورے بارہ بجے کھل جاتا تھا۔ منگل کے روز ہمیں بڑا لذیذ گوشت پلاؤ اور ساتھ آلو کی ٹکیاں اور دہی کا رائتہ لنچ میں ملتا تھا۔ اس قدر مزے دار کہ پچاس سال بعد بھی جب یاد آتا ہے تو منہ میں پانی آتا ہے۔ اس نوجوانی کی عمر میں بھوک بھی بہت لگتی تھی۔ سب ہی لڑکے منگل کے دن کا انتظار کرتے اور میس ہال کھلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی وہاں لمبی لائن لگ جاتی۔میری بدقسمتی سے اسی وقت ہماری کیمسٹری کی کلاس شروع ہوتی تھی۔ اگر کلاس ختم ہونے کے بعد کھانے جاتے تو پلاؤ ختم یا ٹکیاں ختم یا بچا کھچا ملتا تھا۔ بھوک اور پلاؤ کے چسکے نے بڑی مشکل پیدا کر دی کہ کیمسٹری کی کلاس میں جایا جائے یا پلاؤ کھانے جایا جائے۔ بالآخر اس جنگ میں پلاؤ کی فتح ہوئی اور ہر منگل کو کیمسٹری کی کلاس میں غیر حاضری ہوتی رہی اور میں میس کی لائن میں چند پہلے طلباء میں ہوتا۔ ہمارے کیمسٹری پڑھانے والے پہلے استاد مکرم رفیق ثاقب تھے جو ڈسپلن اور حاضری کے بہت پابند تھے مگر ان کے افریقہ جانے کے بعد ان کے بھائی مکرم پروفیسر مبارک احمد انصاری نے شروع کر دی۔ مکرم انصاری صاحب طلباء کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک کرتے تھے اور غیر حاضری پر زیادہ پوچھ گچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ میرے لئے پلاؤ کھانا اور بھی آسان ہوگیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کیمسٹری کے مضمون میں کمزور ہوتا گیا اور پھر گیارہویں کلاس کے سالانہ امتحان میں اس مضمون میں فیل ہو گیا۔ کیمسٹری میں فیل ہونے پر مکرم چوہدری حمید اللہ نے مجھے اپنے دفتر بلایا اور پوچھ گچھ بھی کی۔ پھر کہنے لگے کہ صرف ایک مضمون میں کمزور ہوں اگر میں توجہ دوں اور محنت کروں تو کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ غالباً ان کی سفارش پر ہی کالج نے مجھے بارہویں کلاس میں داخلہ دے دیا۔ چوہدری صاحب یا کالج والوں کو کیا علم تھا کہ میں پلاؤ اور کیمسٹری کی کس مشکل جنگ میں مبتلا تھا۔ اگلے سال بھی یہی سلسلہ چلتا رہا اور یہ حالت ہوگئی کہ کیمسٹری کے مضمون سے مجھے نفرت سی ہونے لگی بلکہ اس کی کتاب پکڑتے ہی ہاتھ ٹھنڈے ہونے شروع ہو جاتے۔ جب آدھا سال دوسرا بھی اسی طرح گزر گیا تو اب مجھے خود فکر ہونے لگی کہ میں تو ایف ایس سی کے فائنل امتحان میں کبھی پاس نہ ہوسکوں گا۔ یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اگر ایف ایس سی میں ہی فیل ہوگیا تو پھر آگے پڑھائی کا تمام سلسلہ ہی ختم ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ایف ایس سی کی بجائے ایف اے کا امتحان دے دیا جائے۔

ایف اے کا پرائیویٹ امتحان دے کر ہوسٹل میں اپنی دو سالہ رہائش ختم کر کے واپس گھر چلا گیا اور رزلٹ کا انتظار کرنے لگا۔مکرم والد صاحب نے امتحان اور مضامین کے بارہ میں پوچھا کہ فزکس، کیمسٹری اور حساب کے پرچے کیسے ہوئے۔ اب مشکل یہ تھی کہ میں جو کر آیا تھا ان سے چھپایا تو نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں بتا دیا کہ میں نے سائنس کے مضامین چھوڑ کر ایف اے کا امتحان دے آیا ہوں۔ پلاؤ والی بات چھوڑ کر ان کو اتنا ہی بتایا کہ کیمسٹری نہیں آتی تھی اسلئے مضامین تبدیل کر لئے تھے اور یہ بھی بتا دیا کہ بطور پرائیویٹ طالب علم کے امتحان دیا ہے۔ ان کو صدمہ تو ضرور ہوا مگر کر بھی کیا سکتے تھے۔ کہنے لگے کہ اگر تو تم پاس ہو گئے تو میں سمجھوں گا کہ تم کچھ کام کر سکتے ہو اور بی اے میں داخلہ دلوا دوں گا۔ اگر فیل ہو

گئے تو تمہاری پڑھائی ختم، کوئی اور کام کر لینا۔ گرمیوں کی چھٹیاں اسی انتظار اور کشمکش میں گزر گئیں۔ جب نتیجہ آیا تو میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گیا، اور بی اے میں کھاریاں کنٹونمنٹ بورڈ ڈگری کالج میں داخلہ مل گیا، اور پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور اور کینیڈا کی ایک بڑی یونیورسٹی سے بھی انتظامیات میں دو ایم اے کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ بظاہر فضل عمر ہوسٹل میں منگل کے دن لنچ پر پلاؤ ایک معمولی اور معصوم سا واقعہ لگتا ہے لیکن میری پڑھائی کی ٹرین نے اسی سے اپنی پٹری کا کانٹا بدلا۔ مجھے کبھی بھی اس کا افسوس نہ ہوا کہ پلاؤ نے مجھے انجینئر نہ بنے دیا۔ آج بھی اپنے گھر میں جب گوشت پلاؤ بنے تو میں آلو کی ٹکیاں بھی بنواتا ہوں اور فضل عمر ہوسٹل میں قیام کے دن یاد آتے ہیں، لیکن وہ اصلی مزا کہاں؟

فضل عمر ہوسٹل کے کچن سے متعلقہ ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ باورچی کی امداد اور کھانا پکانے کیلئے پانچ سات ملازم بھی ہوتے تھے۔ انہوں نے ایک سائیڈ بزنس یہ بھی شروع کیا ہوا تھا کہ کچھ ماہانہ معاوضہ، غالباً دس بارہ روپے، کے بدلے وہ ملازم طلباء کے بستر بناتے، کپڑے دھوبی کو دیتے اور واپس کمرہ میں لاتے اور جب وہ طالبعلم کھانے کیلئے میس ہال میں داخل ہوتے تو وہ ملازم اپنے ان کا خاص خیال رکھتے، ایک اضافی فائدہ یہ بھی تھا کہ بعض زمیندار گھرانوں کے طلباء اپنے گھروں سے ڈبوں میں دیسی گھی لے آتے اور اپنے ملازم کو رکھنے کیلئے دے دیتے۔ جب بھی دال پکتی تو وہ ملازم ڈبہ سے دیسی گھی نکال کر خوب تڑکا لگا کر ان کیلئے لاتے۔ ہر ملازم کے پاس اس کے کمرہ میں کئی کئی ڈبے دیسی گھی کے پڑے ہوتے اور ان پر مالک کا نام بھی لکھا ہوتا۔

کرایہ کے پنکھے اور رامپوری ٹوپی

ایک اور بات ان دنوں کی یاد آتی ہے وہ یہ کہ سخت گرمیوں میں گول بازار میں مجید آئرن اسٹور سے پنکھے کرایہ پر لینا ہوتا تھا۔ کوئی پانچ سات روپیہ ماہانہ پر پنکھے مل جاتے تھے۔ گرمی اسقدر ہوتی کہ پنکھے چل چل کر خود بھی گرم ہو جاتے اور کچھ دیر کیلئے آرام کرتے اور پھر خود ہی چالو ہو جاتے۔ ہمارے کچھ دوست ایسے بھی تھے جو پنکھوں کی موٹر کو ٹھنڈا کرنے کیلئے ان پر پانی انڈیل دیتے اس طرح موٹر کو جلا کر واپس اسٹور والوں کو دے آتے اور نیا پنکھا لے آتے۔ کئی دفعہ ہم نے ایسا بھی کیا کہ دروازہ کے نیچے کمبل وغیرہ سے درمیانی جگہ کو بند کر کے فرش پر پانی کی بالٹیاں انڈیل کر ایک جھیل سی بنا دیتے۔ اسطرح پنکھے کی ہوا کچھ دیر کیلئے قدرے ٹھنڈی رہتی۔ ایک دفعہ مجھے مغرب کی طرف کمرہ ملا جہاں دوپہر کے بعد سورج کی شعائیں کمرہ کو اس قدر گرم کر دیتیں کہ کمرہ میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ میرے روم میٹ نے کھڑکی پر اپنی رضائی بطور پردہ کے لٹکا دی اور ہر دس منٹ بعد رضائی پر پوری بالٹی پانی کی پھینک دیتا، مگر رضائی پھر بھی منٹوں میں سوکھ جاتی۔

پاکستان میں ٹی آئی کالج وہ واحد تعلیمی ادارہ تھا جہاں کالا گاؤن اور ٹوپی پہننی یونیفارم کا لازمی حصہ تھا۔ سردیوں میں تو کپڑوں کے اوپر گاؤن پہنا جاسکتا تھا لیکن گرمیوں میں کالے رنگ کا لبادہ جسم کیلئے آرام دہ لباس نہ تھا۔ اکثر لڑکے عموماً اسکو کندھے پر ہی لٹکائے رکھتے تھے۔ ٹوپی کیلئے گول بازار میں افضل برادرز والے جو کالے رنگ کی مخمل کی بنی ہوئی سستی ٹوپیاں فروخت کرتے تھے جس کو رامپوری ٹوپی کہا جاتا تھا۔ جب اس ٹوپی کو خریدا جاتا اس وقت تو مائع لگی ہوئی بہت خوبصورت لگتی لیکن چند ہفتوں میں اسکی سب اکڑ ختم ہو جاتی اور شکل میں بھی گیند نما گول ہو جاتی تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اکثر لڑکے اس کو سر پر پہننے کی بجائے تہہ کر کے جیبوں میں ڈال لیتے تھے اور حسب ضرورت نکال کر سر پر پہن لیتے۔ ٹوپی کا اکثر گم ہو جانا بھی عام تھا اس لئے گول بازار سے پھر نئی خرید لیتے۔ افضل برادرز کا ٹوپیوں کا کاروبار بہت چلتا تھا۔ مکرم صوفی بشارت الرحمان کے پرنسپل ہونے کے دور میں تو گاؤن اور ٹوپی کی پابندی لازمی تھی کیونکہ وہ اکثر جرمانہ کر دیتے تھے، لیکن مکرم قاضی محمد اسلم کے دور میں کافی رعایت تھی اور جرمانہ نہیں ہوتا تھا۔

؎ وہ نیاز و ناز کا ماجرا، وہ زمانہ شوق و شباب کا
اسے بار بار نہ یاد کر، جو گزر گیا، سو گزر گیا

مسجد مبارک میں جمعہ کی نماز

ہوسٹل میں جو احمدی لڑکے رہتے تھے وہ جمعہ کی نماز کیلئے مسجد مبارک جایا کرتے تھے۔ ہوسٹل اور مسجد کا درمیانی فاصلہ کافی تھا اور شدید گرمیوں میں پیدل چل کر جانا کوئی آسان نہیں تھا۔ تمام سڑکیں کچی بجری والی تھیں اور گرد بھی بہت ہوتی تھی۔ ایک راستہ جو ہم طلباء اختیار کرتے تھے وہ ریل کی پٹری پر چل کر جانا تھا۔ اس طرح گرد سے تو بچ جاتے لیکن ریل کی بجری مصیبت بنتی۔ پھر درمیانی لکڑی کے پھٹوں پر کود کود کر جانا شروع کر دیا۔ بعض دفعہ تپتی لوہے کی ریل کے اوپر سارا راستہ چل کر جاتے اور وہاں سے پہاڑی کے درّہ میں سے گزرتے جہاں پٹھان ہاتھوں میں ہتھوڑی لئے بڑے بڑے پتھر کوٹ کر بجری بنا رہے ہوتے۔ انسانی محنت اور غربت کی وہ مثال ابھی تک ذہن میں محفوظ ہے۔ بقول اقبال

؎ زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شِیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

ایک دفعہ لڑکوں نے فیصلہ کیا کہ درّہ کی بجائے سیدھا جانا ہے اور بڑے پہاڑ کے اوپر سے پار کر کے جانا ہے۔ پاؤں میں ہوائی چپل، گرمی کی شدت اور پھر سب سے مشکل اور خطرناک راستہ۔ ہم سب لڑکوں نے ایسا ہی کیا اور خدا نے ہمیں کسی حادثہ سے بچائے رکھا، ورنہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ کیا نڈر، ایڈونچر اور بے وقوفی والی عمر تھی۔ نہ پہاڑ پر چڑھتے خوف اور نہ اترنے کا ڈر۔ کئی بار وہاں پہاڑوں پر چڑھے لیکن بفضلِ خدا بچے رہے۔

بابا شادی کو جرمانہ

باباشادی بہت شریف النفس، سادہ تھا، قمیض بہت کم پہنتا، نیچے صرف ایک چھوٹی سی لنگی، آنکھوں پر ایک گول شیشے والی عینک جو اسکے ناک کے نیچے سرکی ہوئی، لڑکوں کے ساتھ گپ شپ اور مذاق، کالج کا دیرینہ وفادار، سب رازوں سے واقف اور ہر چیز کا بھیدی بھی تھا۔ پہلے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے مضبوط تعلق رکھتا تھا۔ کالج کی سیڑھیوں کے نیچے ایک چھوٹے سے کمرہ میں اس کی رہائش تھی۔ سارا دن کالج میں رہتا اور رات کو ہوسٹل کے اندر سوتا تھا۔ کالج کی تمام چابیاں اسکے پاس ہوتیں اور سب سے بڑھ کر کالج کی کلاسوں کی گھنٹی بجانا بھی اسکا کام تھا۔ گھنٹی کیا تھی، ایک لوہے کا لٹکا ہوا بڑا سا توا اور بابا شادی کے ہاتھ میں لکڑی کا ہتھوڑا تھا جس کو وہ بہت شوق سے زور زور سے مارتا۔ یہ ہتھوڑا ہی اس کا سب سے کارآمد اور طاقتور اسلحہ تھا۔ بابا شادی کی اسی ٹلی کے بل پر ہی کالج کا نظام چلتا تھا۔ سب کلاسیں اسی سے شروع ہوتیں اور اسی ٹلی کی آواز پر ختم ہوتیں۔ مکرم قاضی محمد اسلم صاحب تو اپنی طبیعت کے لحاظ سے نرم خو تھے۔ انہوں نے بابا شادی کو ایسے ہی رہنے دیا۔ جب مکرم صوفی بشارت الرحمان صاحب قائم مقام پرنسپل کے فرائض انجام دینے لگے تو اپنی طبیعت کے لحاظ سے مذہبی اور سخت ڈسپلن کے قائل تھے۔ ہر طالب علم کو ٹوپی اور گاؤن میں دیکھنا چاہتے تھے۔ پرنسپل کے دفتر میں بغیر ٹوپی اور گاؤن داخلہ بالکل ممنوع تھا، بلکہ جرمانہ بھی کر دیتے تھے۔ اُن سے جرمانہ وغیرہ بھی معاف کروانا اتنا آسان نہ تھا۔ کلاسوں کے درمیانی عرصہ میں طلباء جب برآمدہ میں گھومتے ہوئے مکرم صوفی صاحب کو دیکھتے تو فوراً گاؤن ٹوپی پہن لیتے۔ طلباء کیلئے تو ان پابندیوں کو ماننا ان کی تعلیم کا حصہ تھا۔ مکرم صوفی صاحب نے کسی حد تک بابا شادی کو بھی ڈسپلن کا حصہ بنانا چاہا کہ وہ کالج میں قمیض ضرور پہنے اور کم از کم پرنسپل کے کمرہ میں تو ضرور ٹھیک طرح سے کپڑے پہن کر داخل ہو۔ لیکن پرانا تجربہ کار اور عادات سے مجبور بابا شادی کس طرح ایسی پابندیوں میں آسکتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بابا شادی پہلے کی طرح بغیر قمیض پرنسپل کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ مکرم صوفی صاحب نے اس کو جرمانہ کر کے نوٹس بورڈ پر لگا دیا۔ بابا شادی نے نوٹس بورڈ کے پاس کھڑا ہو کر زور زور سے شور کر کے بہت سے طلباء کو اکٹھا کر لیا۔

چوہدری محمد علی صاحب

چوہدری محمد علی صاحب ہمارے ہوسٹل وارڈن تھے اسلئے ان کے ساتھ ہمارا ہر وقت کا تعلق تھا۔ چوہدری صاحب طلباء کی اسپورٹس میں بھی بہت دلچسپی لیتے تھے۔ کالج کی باسکٹ بال ٹیم کے بھی انچارج تھے۔ انکا رعب اور دبدبہ بھی بہت تھا۔ کالج میں استاد تو فلسفہ کے تھے لیکن ہر کوئی انکی انگریزی دانی سے زیادہ مرعوب تھا۔ چند خاص باتیں بھی ان کے ساتھ منسوب تھیں اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ موصوف خوشبو کا بے دریغ استعمال کرتے تھے۔ اپنے ہی ایک شعر میں غالباً اپنے بارہ میں ہی کہتے ہیں

؎ ان کی پہچان ہے فقط خوشبو
لفظ گورے نہ سانولے صاحب

دوسری خاص بات یہ تھی کہ ان کے موڈ اچانک تبدیل ہو جاتے تھے۔ ایک پل میں ہنس رہے ہیں اور دوسرے پل میں اچانک آنسوؤں کے ساتھ رقت میں آجاتے اور تیسرے پل میں غصہ میں بھی آجاتے اور جھڑکیاں بھی دینے لگ جاتے۔ رونے والی حالت میں ہمدردی کے جذبات ابھار لیتے، ہنسنے والی حالت میں محبت اور تعلق کا اظہار پیدا کر لیتے، غصہ اور جھڑک والی صورت میں خوف پیدا کر لیتے۔ اس وجہ سے لڑکے ان سے ڈرتے بھی تھے کہ نہ معلوم اگلے پل میں کیا ہو گا۔ یہ تجربات دن میں کئی بار ہوتے لیکن یہ ضرور تھا کہ ایسی کیفیات لمحہ بھر ہی رہتیں۔ اچھے شاعر بھی تھے۔ ایک دفعہ یہ شعر پڑھا تو چوہدری صاحب کا رونا یاد آ گیا۔

؎ رونا کہاں ہوا مجھے دل کھول کر نصیب
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آ گیا

میں چوہدری صاحب کو پاکستان سے ہجرت کے ستائیس سال بعد آخری بار 2003ء میں لندن یوکے میں ملا تو دیکھتے ہی پہچان گئے۔ میں سمجھا کہ ویسے ہی دلجوئی کی خاطر کہہ رہے ہیں، نام تو ان کو یاد نہیں تھا لیکن کہنے لگے تم کھاریاں کے رہنے والے ہو۔ ہزاروں طلباء ان کی نظروں

سے گزرے لیکن بلا کی یاداشت تھی۔ آپ کی پیدائش 1917ء میں جالندھر میں ہوئی 98 سال کی عمر میں 2015ء میں ربوہ میں ان کی وفات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

عجب شخصیت کے مالک تھے۔ بقول شاعر

؎ ہوا اڑائے پھرے گی گلی گلی تیری خوشبو

ڈاکٹر ناصر پرویز پروازی صاحب

اگر میں یہ کہوں کہ مکرم پروازی صاحب کالج میں سب سے زیادہ ہردلعزیز استاد تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔موصوف عام بول چال تو پنجابی میں کرتے لیکن پڑھاتے اردو تھے۔ پڑھاتے کیا انکی کلاس شعر و شاعری کی ایک محفل ہی ہوتی تھی، اور وہ بھی عمدہ لطیفوں اور حاضر جوابی جملوں سے بھری ہوئی۔ وہ طلباء کی کلاس میں حاضری کبھی نہ لگاتے لیکن ان کی کلاس میں حاضری سب سے زیادہ ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ جو بھی اپنی کلاس سے فارغ ہوتا خواہ کسی بھی درجہ میں ہوتا، وہ بھی شغل کی خاطر پروازی صاحب کی کلاس میں جا کر بیٹھ جاتا۔ اس لئے انہوں نے پرنسپل صاحب سے اجازت لے کر اپنی کلاس کو کالج کے بڑے ہال میں شفٹ کر دیا تھا میرا ذاتی خیال ہے کہ اس زمانہ میں جو بھی طالب علم ٹی آئی کالج میں پڑھتا تھا اس کے اردو ادبی ذوق میں پروازی صاحب کا ہاتھ ضرور ہے۔ میری حد تک تو یہ بات بالکل درست ہے کہ شعر و شاعری پڑھنے کی چَس پروازی صاحب کی کلاس ہی کا نتیجہ ہے۔ کالج میں مشاعروں کا انعقاد، اور ڈرامے اسٹیج کروانا بھی انہیں کا کام تھا۔ جب 1969ء میں غالب کی سو سالہ برسی آئی تو مکرم پروازی صاحب نے طلباء کی ٹریننگ کر کے غالب کی زندگی پر نہایت عمدہ ڈرامہ بنوایا اس کی یاد اور لطف ابھی تک باقی ہے۔ مکرم پروازی صاحب کالج میں بہت سے نامی گرامی ادبی شخصیتوں کو بھی مدعو کرتے اور مشاعرے کرواتے۔ اسی طرح چوہدری محمد علی صاحب کے ساتھ باسکٹ بال کی ٹیم کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ پروازی صاحب آجکل کینیڈا میں رہتے ہیں کبھی کبھار ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور برکت والی زندگی عطا کرے۔

چوہدری حمید اللہ صاحب

چوہدری صاحب کے بھائی میرے والد صاحب مرحوم کے قریبی دوست تھے۔ ان کا دفتر کالج کے ہال کے پیچھے ایک چھوٹے سے کمرہ میں ہوتا تھا۔ مجھے جب بھی کبھی کوئی مسئلہ ہوتا میں ان کے دفتر میں بلا جھجک چلا جاتا اور وہ بڑے تحمل سے میری بات سنتے اور مناسب رہنمائی کرتے۔ مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب بڑے ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ وہ کالج میں ہمیں حساب Mathematic پڑھایا کرتے تھے۔ وقت اور اصول کے پابند اور ہمیشہ کلاس کی حاضری بھی لگاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز نہایت عمدہ اور سلیس ہوتا تھا۔ ہر بات اور نقطہ کو بڑی احتیاط سے سمجھاتے۔ پاکستان میں اعشاریہ کا نظام کچھ سال پہلے جاری ہوا تھا۔ مجھے ابھی تک وہ کلاس یاد ہے جس میں مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب نے ہمیں اعشاریہ کا غیر متناہی نظام اور (Concept of Infinity) سمجھایا۔ ایک لائن بلیک بورڈ پر لگا کر اس کو آدھا کیا، پھر اسکو آدھا کیا، پھر اسکو آدھا کرتے ہی گئے اور اسطرح سمجھایا کہ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ میرے ذہن میں ابھی تک ان کی آواز اور وہ تصویر محفوظ ہے جس وقت انہوں نے وہ لائن لگائی اور آہستہ آہستہ سمجھانا شروع کیا اور اپنی ہلکی آواز سے یہ فقرہ بھی دھراتے جاتے یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا، چلتا چلا جائے گا، چلتا چلا جائے گا اور کبھی ختم نہ ہو گا۔ کالج کے بعد چوہدری صاحب جماعت کا کام کرتے رہے اور بڑے عہدے بھی پائے مگر انکساری ہمیشہ ان کا شعار رہا۔ میرا ان کے ساتھ ان کی ساری عمر تک قریبی تعلق رہا۔ جب بھی کینیڈا آتے ان سے ملاقات ہوتی، میرے گھر بھی کھانے پر آتے۔ انکے بیٹے رشید اللہ کا کہنا ہے کہ جب بھی وہ والد صاحب کے ساتھ فون پر بات کرتا، چوہدری صاحب میرا حال اس سے ضرور پوچھتے اور باقاعدہ سلام بھی بجھواتے۔ اسی طرح کئی اور دوستوں کی وساطت سے بھی سلام و دعا بجھواتے رہتے۔ میری انکے ساتھ آخری ملاقات 2008ء میں کیلگری مسجد کے افتتاح کے موقع پر ہوئی۔ نہایت محبت سے ملے اور بہت عمدہ باتیں بھی کیں۔ اُن جیسے قابل، ایماندار، محنتی، قابل رشک اور مخلص انسان اب کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ حال ہی میں انکی وفات ہوئی ہے اور ہر طرف سے انکی یاد میں لوگوں نے بہت اچھی باتیں کہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بیشمار رحمتیں نازل کرے۔

مکرم شریف احمد خالد صاحب

مکرم شریف خالد صاحب اپنی طبیعت کے لحاظ سے بہت سادہ، نرم خو، طلباء سے محبت کرنے والے، اور دوست قسم کے آدمی تھے۔ طلباء نے بے تکلفی میں ان کا نام چاچا شریف خالد رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیں انگریزی پڑھاتے تھے لیکن اگر سچ کہوں تو ہمارے انگریزی کے دیہاتی مبلغ تھے۔ ساری انگریزی تقریباً پنجابی میں ہی پڑھاتے تھے۔ خود بھی اپنی مدد آپ کے تحت کاغذ پر انگریزی الفاظ کا اردو میں ترجمہ لکھ کر ساتھ لاتے۔ طلباء کو کبھی اس بات کی سمجھ نہ آئی کہ ان کو انگریزی پڑھانے میں کیسے دلچسپی پیدا ہوئی۔ کی کبھار ان کی غیر موجودگی میں مکرم مرزا خورشید احمد صاحب بھی انگریزی کی کلاس پڑھاتے تو پھر معلوم ہوتا کہ یہ زبان کس طرح بولی جاتی ہے۔ کچھ سالوں کے بعد وہ گھٹیالیاں میں کسی کالج کے پرنسپل بن کر چلے گئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ وفات پا چکے ہے۔ اللہ انکی تربت پر ہزار رحمت کرے۔ ہر مسافر کو کسی گھاٹ پہ اتر جانا ہے۔

مکرم محمد اسلم منگلا صاحب

مکرم اسلم منگلا صاحب سے کالج میں تو میں نے کوئی کلاس نہیں پڑھی لیکن وہ ہمارے ہوسٹل کے ایک نگران تھے۔ مرحوم نہایت شریف اور بہت عمدہ انسان تھے۔ طبیعت میں حیا اور بردباری تھی۔ ایم اے اسلامیات کرنے کے بعد ان کی ہوسٹل میں نئی نئی تقرری ہوئی تھی اور ابھی تجربہ بھی نہیں تھا، اسلئے ابھی خود اعتمادی بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لڑکوں کے ہجوم میں بات کرتے ہوئے کچھ گھبرا سے جاتے تھے۔ ہوسٹل میں رہنے والے طلباء پاکستان کے مختلف شہروں، گاؤں اور جگہ جگہ سے آئے تھے۔ عمر بھی اکثر کی کچی تھی اور شرارتوں سے بھرپور تخلیقی دماغ بھی تھا۔ جونہی طلباء کو ان کی ناتجربہ کاری کا احساس ہوا تو پھر انکو مزید تنگ کرنا شروع کر دیتے۔ بعض اوقات تو بچارے رون ہلکے ہو جاتے۔ اب اس بات کو پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر مجھے آج تک اس بات کا احساس ہے کہ موصوف منگلا صاحب کے ساتھ ہوسٹل کے کچھ لڑکے خوامخواہ زیادتی کرتے تھے۔ کالج کے بعد وہ پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں چلے گئے اور باقی ساری عمر اسی دفتر کی خدمت میں گزار دی۔ منگلا صاحب مرحوم مجسم شرافت تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر ہزار رحمت بھیجے اور ہم سب طلباء کو معاف بھی کرے۔ اب دیکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہر گز۔

حرف آخر

ٹی آئی کالج اور فضل عمر ہوسٹل کو چھوڑے ہوئے پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ہوسٹل میں بھی رہا ہوں، اور پھر کینیڈا میں یونیورسٹی میں بھی رہا ہوں لیکن جو یادیں فضل عمر ہوسٹل کے دور کی ہیں ان کا مقابلہ بعد کی اسٹوڈنٹ لائف سے نہیں ہوسکتا۔ جس زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ حکومت پاکستان کی طرف سے 1972ء میں تعلیمی ادارے قومیانے سے پہلے کا دور ہے۔ خاص کر ساٹھ کی دہائی کے اواخر میں کالج اپنے تعلیمی اور ادبی اعتبار سے بہت عروج پر تھا۔ ٹی آئی کالج ان چند محدود تعلیمی اداروں میں سے ایک تھا جس نے ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں بھی شروع کر دی تھیں، اور کیمسٹری میں ایم ایس سی کی کلاسیں شروع کرنے کی پلاننگ بھی ہو رہی تھی۔ عموماً ان مضامین میں ایم ایس سی کرنے کیلئے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہوتا تھا۔ کالج طلباء کی اسپورٹس کے میدان میں بھی صف اوّل کا درجہ رکھتا تھا۔ متواتر کئی سال کشتی رانی میں پنجاب یونیورسٹی کا چمپئن رہا۔ اسی طرح باسکٹ بال کے میدان میں بھی ٹی آئی کالج کی ٹیم کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ میرے وہاں ہوتے ہوئے آل پاکستان باسکٹ بال چمپئین کا مقابلہ بھی اُسی کالج میں ہوا جس میں پورے پاکستان سے ٹیمیں کھیلنے کیلئے وہاں آئیں۔ ہوسٹل کے کمرے ہم سے خالی کرا کر مہمان ٹیموں کو دیئے گئے۔ کالج میں طلباء کی یونین بھی تھی، انتخاب بھی ہوتے تھے لیکن نہ کبھی طلباء نے کوئی ہڑتال کی، نہ کوئی توڑ پھوڑ، اور نہ کسی قسم کا ہنگامہ۔ اساتذہ اور طلباء کا آپس میں رشتہ نہایت باادب اور دوستانہ تھا۔ باقاعدہ کلاسوں کی تعلیم کے علاوہ، مشاعرے، ڈرامے، ادبی محفلیں، تقریری مقابلے، کھیلیں اور طرح طرح کی دیگر سرگرمیاں بھی کالج کی زندگی کا حصہ تھیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر دور دور سے طلباء، احمدی بھی اور دوسرے مسلمان بھی، بلا لحاظ فرقہ، کالج میں پڑھنے کیلئے آتے تھے۔ فضل عمر ہوسٹل میں بھی طلباء کی رہائش، حفاظت، اور دیکھ بھال کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ کالج تو شاید اب بھی قائم ہے اور سننے میں آیا ہے کہ حکومت نے کالج کی اب نئی عمارت بھی تعمیر کی ہے۔ لیکن وہ باتیں کہاں؟ میری یادیں تو کسی اور زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ وہ نادر دور تھا جب پاکستان میں کفر سازی کی باقاعدہ فیکٹری کا پلانٹ نہیں لگا تھا۔ وہ اساتذہ ہی اور تھے، وہ طلباء ہی اور تھے، وہ ماحول ہی اور تھا۔ وہ طلباء جو اُس دَور میں اِس کالج میں طالبعلم رہے ہیں وہ سب ہی اس حقیقت کی کھلے طور پر تصدیق کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں کوئی پرانا طالب علم اپنی یادوں کی محبت میں ٹی آئی کالج کو دیکھنے ربوہ گیا تو وہاں سے پرانی عمارت کی تصویریں اور ویڈیو بنا لایا اور انٹرنیٹ پر دوستوں کو بھجوا دیں۔ کسی نے مجھے بھی وہ تصویریں دیں۔ جن محبت بھری آنکھوں سے کالج نے ہمیں دیکھا، انہی آنکھوں سے ہم نے دنیا کو دیکھا، اور انہی آنکھوں سے قومیائے جانے والے کالج کے کھنڈرات کو دیکھ کر دکھ ہوا۔ یہ وہ کالج تھا جس نے ہمیں اسوقت شعور دیا، تعلیم دی، اور زندگی کی راہ دکھائی، جب ہمیں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ یہ وہ کالج تھا جہاں پورے ملک کے وزیر، سفیر، افسران، شعراء کرام، ادبی شخصیات، سائنسدان وغیرہ اور پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تک بھی آنا فخر محسوس کرتے تھے۔

؎ کیا دن تھے جب نظر میں خزاں بھی بہار تھی
یوں اپنا گھر بہار میں ویراں نہ تھا کبھی

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

تقریبِ رخصتانہ

مکرم عبدالمنان۔ برطانیہ سے تحریر کرتے ہیں

خاکسار کی پیاری بیٹی عزیزہ نداء السلام کی تقریب رخصتانہ مؤرخہ 13اکتوبر 2021ء کومنعقد ہوئی۔تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کےمنظوم کلام سے ہوا بعد ازاں مہمانان کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا اور دعا کے ساتھ رخصتی عمل میں آئی۔ اگلے دن لڑکے والوں کی جانب سے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔ بچی کا نکاح مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء کو ہمراہ عزیزم محمد مطیع اللہ درانی ابن مکرم مظفر احمد درانی سے بعوض ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ حق مہر پر پڑھا گیا۔

قارئین الفضل سے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے کہ مولا کریم اس رشتہ کو دونوں خاندانوں کے لئے ہر لحاظ اور جہت سے بہت بابرکت فرمائے نیز اس جوڑے کو ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والا اور خلافت احمدیہ کا حقیقی وفادار اور سچا مطیع بنائے۔ آمین ثم آمین

ایڈیٹر کے نام خط

الفضل میری علمی و روحانی سیری کا باعث ہے

مکرمہ رضیہ بیگم۔ نیویارک امریکہ سے لکھتی ہیں کہ

19اکتوبر 2021ء کے الفضل میں مکرم ظہیر احمد طاہر آف جرمنی کا خط پڑھا جو کہ واقعاتی اعتبار سے میرے بچپن سے ملتا جلتا ہے اس لئے کچھ لکھنے کی تحریک ہوئی اور پرانی یادیں تازہ ہوگئیں جو کہ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

جب سے ہوش سنبھالا۔ الفضل اور پیاری جماعت کے دیگر رسالہ جات کو گھر کی زینت پایا اس میں ''الفرقان'' اور ثاقب زیروی صاحب کا رسالہ ''لاہور'' شامل تھے ''لاہور'' رسالہ میں بچوں کا صفحہ جو کہ آخر میں ہوتا تھا میرا پسندیدہ تھا۔

میرے محترم دادا جان کا تعلق کشمیر سے تھا جب ہم ربوہ 1974ء میں آباد ہوئے تو دادا جان اکثر ہمارے پاس آ کر رہتے اور بڑے شوق سے ''الفضل'' اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا مطالعہ کرتے اور دلچسپ واقعات پڑھ کر سناتے، پھر ذرا بڑی ہوئی تو مجھ سے چھوٹے چھوٹے واقعات پڑھ کر سنانے کو کہتے اور میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی ساتھ بٹھا کر سننے کی تحریک کرتے۔شام کو دادا جان جن کا نام مکرم مولوی غلام محمد اور انکے چھوٹے بھائی محترم سید محمد اور میرے ابا جان کی آپس میں گرما گرم بحث ہوتی جو زیادہ تر ''الفضل'' اور دیگر رسائل کے بارے میں ہی ہوتی۔ گھر میں ایک مذہبی ماحول ہوتا۔ امی جان چائے اور دیگر لوازمات سے سب کی خاطر مدارت میں لگی رہتیں۔

پھر میری شادی بھی مخلص احمدی گھرانے میں ہوئی میرے سسر صدر جماعت تھے اللہ کے فضل سے 40سال تک جماعت کی خدمت کی بھرپور توفیق پائی۔ ''الفضل'' کو ہمیشہ اپنے گھر میں پایا لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ 3، 4 پرچے اکھٹے آتے تھے۔ میں اسکول ٹیچر تھی اس لئے سارے پرچے اکٹھے پڑھنا بچوں کے ساتھ ذرا مشکل ہوتا پھر بھی ایک دو پرچے اسکول لے جاتی۔ پرائمری اسکول تھا، دو ٹیچرز ہوتی تھیں۔ میری دیکھا دیکھی میری ساتھی اساتذہ کو بھی ''الفضل'' پڑھنے کی عادت ہوگئی جس دن میرے پاس پرچہ نہ ہوتا کہتی کہ آج اخبار نہیں لائیں؟ اس طرح ''الفضل'' تبلیغ کا ذریعہ بھی بنا رہا۔ اسکے بعد جب حالات خراب ہوگئے اور مخالفت بڑھ گئی تو اس مخالفت کے نتیجہ میں ہمیں ہجرت کرنی پڑی۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے آج ہم پندرہ سال ہو گئے امریکہ میں مقیم ہیں۔

یہاں بھی میں اللہ کے فضل سے آن لائن باقاعدگی سے ''الفضل'' کا مطالعہ کرتی ہوں۔ بچپن کی تربیت کی وجہ سے بچوں کو بھی پڑھ کر سناتی ہوں۔ ''الفضل'' میری علمی اور روحانی سیری کا باعث ہے۔ اس کے سارے مضامین بہت اچھے، معلوماتی اور روح پرور ہوتے ہیں۔ اللہ سب لکھنے والوں کو جزائے خیر عطا کرے اور اللہ تعالیٰ میرے پیاروں کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔ آمین

چھوٹی مگر سبق آموز باتیں

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جس میں دوسروں تک پیغام پہنچانے کے بے شمار نئے اور آسان ذرائع میسر ہیں۔ ہمیں ان ذرائع کو سمجھداری اور ذمہ داری سے اسلام احمدیت کی خدمت کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''آج اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے بعد سے تلوار کا جہاد بند ہے تو قلم کے جہاد کا آپ علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔ پھر اس کے ساتھ، قلم کے جہاد کے ساتھ ساتھ آجکل الیکٹرانک میڈیا ہے۔ مختلف ذرائع ہیں جن کے ذریعہ اسلام پر حملے کئے جاتے ہیں۔ احمدیت پر حملے کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم پر حملے کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں۔ آج ان حملوں کی تعداد پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ تو ان حملوں کو پسپا کرنے کے لئے جہاں مردوں کو اپنی طاقتیں صرف کرنے کی ضرورت ہے وہاں عورتوں کو بھی اپنی تمام تر طاقتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ انٹرنیٹ اور فیس بک اور مختلف ویب سائٹس میں داخل ہونا اپنے مزے اور وقت گزاری اور فن کے لئے نہ ہو بلکہ ایک درد کے ساتھ جس طرح قرون اولیٰ کی مسلمان عورتوں نے اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کی اور اپنی جان تک اس مقصد کے حصول کے لئے لڑا دی۔ آج وہ جان لڑانے کا وقت ہے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ دشمن کے ہر حملے کو پاش پاش کرنے کا وقت ہے۔ لڑکیاں اور پڑھی لکھی عورتیں اس کام کے لئے جماعتی نظام کو اپنے آپ کو پیش کریں''

(خواتین سے خطاب برموقع سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ برطانیہ، بتاریخ 3 اکتوبر 2010ء بروز اتوار)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مرسلہ: سعیدہ خانم سیسکاٹون کینیڈا

طلوع وغروب آفتاب

	05 نومبر 2021ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		05:08	17:42
مدینہ منورہ	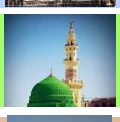	05:11	17:39
قادیان		05:25	17:36
ربوہ		05:05	17:16
اسلام آباد ٹلفورڈ	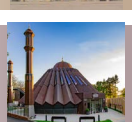	05:33	16:30